مختصر تاریخ زبان و ادب

گلگت بلتستان

(شمالی علاقہ جات)

ڈاکٹر ممتاز منگلوری

مقتدرہ قومی زبان، پاکستان

۲۰۰۹ء

(الف) شنا زبان کا علاقہ

شمالی علاقہ جات پانچ اضلاع گھانچے (گنگ چھے)، سکردو، دیامر، گلگت اور غذر پر مشتمل ہیں۔ گھانچے اور سکردو مل کر بلتستان کہلاتے ہیں۔ دیامر کے ضلع کا بڑا حصہ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر ہے جبکہ داریل اور تانگیر دریا کے دائیں طرف ہیں۔ گلگت کا ضلع دریائے سندھ کے دائیں طرف ہے۔ یہ ضلع چین کی سرحد...... خنجراب تک پھیلا ہوا ہے، اس میں ہنزہ، نگر، بروشال، گوہجال وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔ ضلع غذر میں پنیال، اشکومن اور یاسین کی وادیاں شامل ہیں۔

بلتستان (ضلع سکردو اور گھانچے) میں ماسوا پانچ سات فی صد آبادی کے باقی ساری آبادی بلتی زبان بولنے والی ہے۔ بلتستان میں شنا بولنے والے یہ لوگ روندو کے چند دیہات میں مقیم ہیں۔ دیامر کا تمام ضلع، روپال، استور وغیرہ کی وادیوں کے باشندے شنا زبان بولنے والے ہیں۔ ضلع گلگت کی آبادی اور علاقہ تین حصّوں میں منقسم ہے۔ گلگت کے علاقے کا بڑا حصہ شنا زبان بولنے والوں کا ہے۔ دوسرا حصّہ نگر اور ہنزہ کا علاقہ (خنجراب تک) ہے جو بروشسکی بولنے والوں کا ہے۔ تیسرا حصّہ نگر اور ہنزہ کا شمالی حصہ یعنی گوہجال کا علاقہ ہے۔ اس علاقے میں واخی (گوہجالی) زبان بولی جاتی ہے۔

تیسرے ضلع غذر میں دریائے غذر سے شمال کے علاقے یعنی پنیال، اشکومن، یاسین اور کوہ غذر کے علاقے میں کھووار زبان بولی جاتی ہے جبکہ دریائے غذر کے جنوبی حصے ضلع دیامر کے علاقے داریل اور تانگیر وغیرہ میں شنا زبان بولی جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد شجاع ناموس نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے شنا زبان کے علاقے کا نقشہ بنایا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب ''گلگت اور شنا زبان'' کے ابتدائی صفحے پر دیا ہے۔ اس نقشے سے واضح ہوتا ہے کہ شمالی علاقہ جات کے علاوہ بھی شنا زبان کا علاقہ خاصا پھیلا ہوا ہے۔

ڈاکٹر ناموس کے بقول:

''شنا زبان وسیع علاقے میں بولی جاتی ہے جس کا رقبہ بارہ ہزار تین سو باون (۱۲،۳۵۲) مربع میل ہے۔ یہ شنا کا وطن ہے۔ یہ سب پہاڑی علاقہ ہے جو کشمیر اور کاغان کے پہاڑوں کے شمال کی طرف واقع ہے۔ شنا وطن کی سرزمین بے برگ و گیاہ بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ ان علاقوں کی بلندی جہاں بستیاں موجود ہیں سطح سمندر سے تقریباً تین ہزار فٹ ارتفاع سے شروع ہوتی ہے اور آٹھ ہزار تک تک چلی جاتی ہے........... شنا زبان کا تمام وطن وادی در وادی کوہستان ہے۔'' (۱۱)

''شنا وطن کا محل وقوع : شنا زبان کے وطن کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔ اس نقشے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علاقہ جہاں شنا زبان بولی جاتی ہے ایک غیر منظّم تکون کی شکل کا ہے جو طول بلد ۳۴ اور ۳۷ کے درمیان واقع ہے اور عرض بلد ۷۲ اور ۷۶ کے درمیان۔ عرض بلد ۷۳ کے باہر یعنی ۷۲ اور ۷۳ کے درمیان صرف تھوڑا سا رقبہ یعنی کوئی ایک سو مربع میل کا ٹکڑا واقع ہے۔ شنا وطن کا دل ''شتا کی'' کا خطہ ہے جو دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر ہربن سے لے کر گور تک ہے''۔ (۱۲)

ڈاکٹر ناموس شنا زبان کے علاقے کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''......گلگت کی شنا کو شنا زبان کا معیار مانا جاتا ہے۔ شنا زبان کے وطن کا رقبہ بارہ ہزار تین سو باون مربع میل ہے اس میں یہ علاقے شامل ہیں:

گلگت ایجنسی، اس کے شمال کی طرف ریاست نگر کا تھوڑا سا حصّہ، ریاست پنیال، داریل، تانگیر......تانگیر کے شمالی پہاڑ کی کمر۔ سندھ کوہستان ...... چلاس۔ صوبہ ''شمالی کشمیر'' کی خوب صورت گریز وادی جس میں دریائے کشن گنگا بہتا ہے اور صوبہ مظفر آباد کے شمال میں تلیل وادی۔ دریائے تلیل اسی کشن گنگا کا ایک معاون ہے۔ شنا زبان بلتستان کے علاقے میں بھی گھس گئی ہے اور وہاں اس نے اپنا سکہ جمالیا ہے۔ دراس شہر میں عوام الناس زیادہ تر شنا بولتے ہیں۔ دراس سے شمال کی طرف ایک پٹی ہے جہاں شنا مادری زبان ہے۔ استور کا سارا صوبہ شنا بولتا ہے۔ سندھ کی وادی کا جو ٹکڑا روندو تک ہے اور بلتستان میں شامل ہے وہ بھی شنا بولتا ہے۔ اس سارے

علاقے کی مادری زبان شنا ہے۔" (۱۳)

سید کاشف رضوی لکھتے ہیں: "شنا زبان پاکستان کے شمالی علاقہ جات یعنی گلگت اور بلتستان میں بولی جانے والی زبانوں میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ شنا زبان بولنے والے تقریباً تیرہ ہزار مربع (میل) علاقے میں آباد ہیں گلگت اور اس کے ملحقہ علاقوں یعنی نگر، پنیال، ہنزہ، گوپس، اشکومن، حراموش، بکروٹ اور جگلوٹ وغیرہ ہیں تقریباً دوتہائی آبادی شنا زبان بولتی ہے جبکہ چلاس، داریل، تانگیر، استور اور ملحقہ علاقوں میں تقریباً سو فی صد آبادی کی زبان شنا ہے"۔(۱۴)

(ب) شنا کے علاقے کی مختصر تاریخ اور لوگ

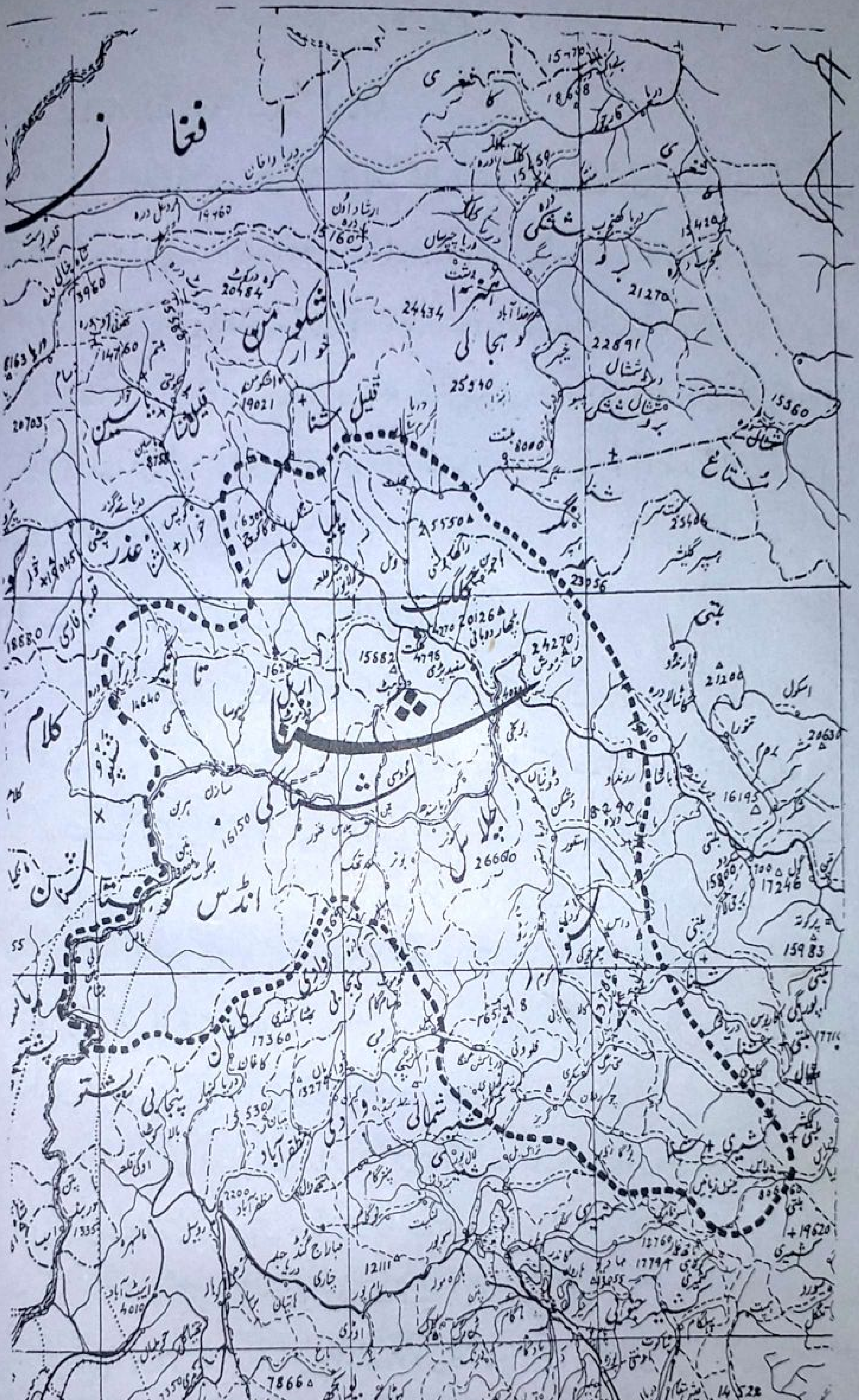
گلگت شنا کے علاقے کا مرکز ہے۔گلگت کے نام کے بارے میں مختلف لوگوں کی آرا مختلف ہیں۔بعض کا خیال ہے کہ یہ سنسکرت کا لفظ ہے اور سنسکرت میں گری کے معنی ہیں پہاڑ اور گرت کے معنی ہیں گھرا ہوا۔ یہ شہر چونکہ چاروں طرف سے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اس لیے اس کا قدیم زمانے میں نام "گری گرت" تھا اور مرورِ زمانہ سے بگڑ کر گلگت ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام "گلگوت" تھا جس کے معنی سنسکرت میں "قبرستان" کے ہیں۔قدیم زمانے میں وہاں بہت جنگیں ہوئیں اور بہت لوگ قتل ہوئے اس طرح وہاں چاروں طرف قبرستان بن گیا اور اس جگہ کا نام گلگوت پڑ گیا۔

بعض کا خیال ہے کہ اس کا اصل نام گلگشت تھا۔ وہاں پھول ہی پھول تھے۔ بعد میں سیلابوں سے زرخیز مٹی بہہ گئی اور نام بگڑ کر گلگت ہو گیا۔

کاشغر کے ترکوں کا دعویٰ ہے کہ یہ ترکی لفظ ہے "کھل" کے معنی ہیں "جانا" کھیت کے معنی ہیں آنا۔ اس جگہ پر مرکزی پڑاؤ تھا، لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لیے اس جگہ کا نام "کھل کھیت" پڑ گیا جو بعد میں بگڑ کر گلگت ہو گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سارگن شاہ بابل کے مفتوحین اور اسیروں نے گلگت کے مقام پر



فغان
کلام
انڈس
گلگت
کوہجالی
ہسپر گلیشر
مظفر آباد

جہاں جنگل تھا سارگن کے نام پر بستی قائم کی۔ پھر دردستان کے علاقوں میں آنے والے قبائل نے قدیم قبائل پر غلبہ حاصل کر لیا تو انھوں نے سارگن کا نام بدل کر اس جگہ کا نام اپنے قدیم وطن کے نام پر ''گلیت'' رکھا جو فلسطین میں ایک پہاڑی مقام کا نام تھا۔

بہر حال مصدقہ روایت یہ ہے کہ اس کا اصل نام ''گلیت'' ہے اور اب بھی پرانے لوگ اسے ''گلیت'' ہی کہتے ہیں۔ پروفیسر عثمان علی کے مطابق قدیم نام یہی تھا، سکھ اسے آسانی سے ادا نہیں کر پاتے تھے اس لیے انھوں نے اسے ''گلیت'' کی بجائے گلگت کہنا شروع کر دیا۔

شنا زبان کا علاقہ ''داردستان'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس علاقے میں رہنے والے ''دارد'' کہلاتے ہیں۔ شنا والے علاقے میں رہنے والے کوہستانی یعنی پالس، جلکوٹ وغیرہ علاقے کے کوہستانی شنا زبان بولتے ہیں لیکن وہ نسل کے اعتبار سے ''دارد'' نہیں۔

دردستان کی آبادی کا بیشتر حصہ دو بڑی اقوام شین اور یشکن پر مشتمل ہے۔ دوسری اقوام میں رونو، کمّی اور ڈوم شامل ہیں۔ یہ اقوام قبل مسیح سے بھی صدیوں پہلے یہاں آ کر آباد ہو گئی تھیں۔ اس ابتدائی دور میں وہ مافوق الفطرت عناصر پر عقیدہ رکھتے تھے۔ پھر بخارا کے قریب ہونے کی وجہ سے انھوں نے زرتشتی مذہب اختیار کر لیا۔ قبل مسیح سے چند صدیاں پہلے دردستان میں بدھ مذہب کا رواج ہوا۔ قبل مسیح سے ڈیڑھ دو سو سال پہلے اس علاقے میں بدھ مت پورے عروج پر تھا۔

فاہیان کے مطابق ضلع دیامر کی تحصیل داریل میں پھگیچ کے مقام پر بدھ کا ۹۴ فٹ بلند چوبی مجسمہ تھا جس پر سونے کی پتریاں چڑھی ہوئی تھیں۔ اس مجسمے کی زیارت کے لیے چین اور تبت سے زائرین جوق در جوق آتے تھے۔ روایت کے مطابق پھگیچ کے مقام پر ایک دارالعلوم (یونیورسٹی) بھی تھا جہاں بدھ مت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس مقام پر سیکڑوں بدھ بھکشو بھی رہتے تھے۔ اس دارالعلوم کے کھنڈرات کے آثار آج بھی ملتے ہیں۔

دیامر کے علاقے میں بالعموم اور چلاس کے علاقے میں بالخصوص بڑی بڑی چٹانوں پر

بدھ کی شبیہہ اور دیگر تصاویر (مارخور اور دوسرے جانوروں کی) کندہ نظر آتی ہیں۔ گونر فارم (چلاس کے قریب) میں بدھا کا مجسمہ چٹان پر کندہ کیا ہوا ہے۔

ڈاکٹر احمد حسن دانی کی قابل تعریف تحقیقی کتاب ''چلاس'' (بہ زبان انگریزی) میں کئی درجن تصاویر موجود ہیں جن پر چٹانوں پر تصاویر اور تحریریں کھروشتی میں موجود ہیں۔ (۱۵)

گلگت کے قریب کرگاہ (ترکی لفظ خرگاہ سے یہ نام بگڑ کر کرگاہ ہوگیا) نالے میں ایک بہت بلند چٹان پر بدھا کا مجسمہ کندہ ہے۔ روایت ہے گلگت کے قریب نو پورہ گاؤں کے ساتھ بدھ مت کے منہدم نشانات موجود ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ ریاست کشمیر کی ایک ٹیم بدھ سٹوپا کی کھدائی کر رہی تھی تو اسے کئی ضخیم مخطوطات دستیاب ہوئے جو پلی میں تھے۔ وہاں سے مہاتما بدھ کا ایک مٹی کا مجسمہ جو آگ پر پکا ہوا تھا ملا۔ آثار قدیمہ والوں کی روایت کے مطابق کچھ تصویریں حکمران اور اس کے درباریوں کی تھیں۔ اُن کے جسم پر چوغہ قسم کا کپڑا تھا، سر پر گلگتی ٹوپی، پاؤں میں چپل قسم کی پاپوش اور کمر پر چادر قسم کی کوئی شے باندھی ہوئی تھی۔ ان مخطوطوں کے ساتھ کچھ کپڑے کے ٹکڑے بھی تھے۔ یہ نمونے سوتی اور ریشمی تھے۔ بڑی باریک بنائی تھی۔ بارہ سو سال گزرنے کے باوجود کپڑوں میں چمک تھی۔ کتابوں کے ساتھ ایک ورق مصوری کا بھی تھا۔ یہ مصوری ایرانی طرز کی تھی۔

گلگت کے سابق حکمرانوں کو ''راع'' کہا جاتا تھا۔ آخری راع بدھ مت سے تعلق رکھنے والا شری بدت تھا۔ یہ بہت ظالم حکمران تھا۔ اس کے بارے میں قبل ازیں تفصیل بیان ہوچکی ہے۔ ۱۱۲۰ء میں ایک مسلمان شاہزادے آذر جمشید نے گلگت کے لوگوں سے مل کر شری بدت کو مار ڈالا۔ لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اسی دور میں دردستان میں اسلام کی اشاعت شروع ہوئی۔ آذر جمشید کے بعد اس کا بیٹا، پوتا اور پھر پڑپوتا تراخان گلگت کا حکمران بنا[۱]۔ اس دور میں بدخشان

[۱] شمالی علاقہ جات کے انسائیکلوپیڈیا (قومی لوک ورثہ) کے صفحات ۹، ۱۰، ۱۱ میں سنہ عیسوی اور سنہ ہجری کا کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا اور سارا مواد گڈمڈ ہو گیا ہے۔

سے تاج مغل نے حملہ کیا اور چترال، یاسین، پونیال کو فتح کرتا ہوا گلگت پہنچا۔ تاج مغل نے اسماعیلی مذہب کی اشاعت کی۔ ترا خان نے اسماعیلی مذہب اختیار کر کے تاج مغل سے پھر گلگت کی حکومت حاصل کر لی۔ ترا خان کے بعد اس کا بیٹا سو ملک اور پھر اس کا بیٹا خسرو خان حکمران رہے۔ اس کے بعد بھی اسی خاندان کی حکمرانی رہی۔ ۱۵۶۵ء سے ۱۶۰۰ء تک مرزا خان گلگت کا راجا رہا۔ مرزا خان کے دور میں چترال سے سنگین علی نے گلگت پر حملہ کر دیا۔ مرزا خان مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ کر بلتستان چلا گیا۔ سکردو جا کر اس نے علی شیر انچن سے مدد حاصل کی۔ علی شیر انچن اور اس کی فوج نے مرزا خان کی خاطر گلگت پر حملہ کیا اور چترال تک علاقہ فتح کر لیا۔ مرزا خان کی حکومت پھر سے قائم ہوگئی۔ مرزا خان نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا اور گلگت میں بھی اسی مذہب کی بنیاد پڑی۔

مرزا خان کے بعد اس کا بیٹا علی شیر راجا بنا۔ ۱۶۳۵ء میں علی شیر کے ایک وزیر ریشو نے علی شیر سے حکومت چھین لی۔ ریشو سترہ سال حکومت کرنے کے بعد قتل ہو گیا۔ اس کے بعد مرزا خان کی بیٹی جواری اپنے کم سن بیٹے حبیب کے نام پر حکومت کرتی رہی۔ جواری کے بعد ایک سو سال میں کئی حکمران بدلے۔ یاسین، پونیال اور نگر کی طرف سے گلگت پر حملے ہوئے اور گلگت کی خود مختاری کا خاتمہ ہو گیا۔

گوری تھم ثانی کے بعد گلگت حملہ آوروں کی آماجگاہ بن گیا۔ کبھی یاسین کا راجا اور کبھی نگر کا راجا گلگت پر قابض ہوتا رہا۔ راجا نگر گلگت کا حکمران تھا کہ یاسین کے گوہر امان نے ۱۸۴۰ء میں گلگت پر قبضہ کر لیا لیکن ایک سال بعد ہی کریم خان نے سکھوں کی سرپرستی میں گوہر امان کو گلگت سے نکال کر اپنی حکومت کر لی۔ نو سال بعد گوہر امان نے ہنزہ اور داریل کی مدد سے پھر گلگت پر قبضہ کر لیا اور سکھوں کا قتل عام کیا۔

۱۸۶۰ء میں گوہر امان کی وفات پر ڈوگروں نے گلگت پر قبضہ کر لیا اور گلگت والوں کے لیے مصائب کا دور شروع ہو گیا۔ ۱۸۷۷ء میں انگریزوں نے مہاراجا کی اجازت سے گلگت اپنی

تحویل میں لے لیا۔ ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء کو انگریزوں نے مہاراجا سے گلگت ساٹھ سال (۱۹۹۵ء) تک پٹے پر لے لیا۔

۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے پٹہ منسوخ کر کے حکومت مہاراجا کو دے دی۔ مہاراجا نے کشمیر اور ان علاقوں کو بھارت میں شامل کرنے کا اعلان کیا تو خطے کے بہادر اور غیور عوام نے کرنل غلام حسین خان اور کیپٹن راجا محمد بابر خان کی سرکردگی میں علم آزادی بلند کیا۔ جنگ آزادی محبّ وطن گلگت سکاؤٹس اور چھٹی جموں کشمیر بٹالین کی مشترکہ جدوجہد تھی۔ یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو گلگت اور اس کے ملحقہ علاقے کو آزاد کرا لیا گیا۔ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء پاکستان نے اپنے نمائندے کے ذریعے ان علاقوں کی عمل داری سنبھال لی۔ (۱۶)

(ج) شنا......زبان

ماہرین لسانیات شنا، چترالی، کشمیری اور کوہستانی کو ایک گروہ کی زبانیں قرار دیتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق شنا آریائی زبانوں کے داردی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ بعض ماہرین نے شنا کو کشمیری کی بیٹی قرار دیا ہے۔

جرمن ماہر لسانیات ڈاکٹر جارج بدرس کے بقول ''شنا'' تین ہزار سے پانچ ہزار قبل مسیح کی زبان ہے۔ اس زبان کا شمار کشمیری کی طرح آریائی زبانوں کے داردی خاندان میں ہوتا ہے۔ (۱۷)

آریہ حملہ آور ایک ہزار اور دو ہزار قبل مسیح کے درمیان میں یکے بعد دیگرے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ان حملہ آوروں میں شین لوگ بھی تھے جنھوں نے سندھ کے کناروں کو فتح کیا اور وہاں آباد ہو گئے۔ شنا بولی اس وقت کی سنسکرت کی ایک شکل ہے جو ان پہاڑوں میں ایک ہزار قبل مسیح میں داخل ہوئی۔ اس لیے شنا کے ابجد میں وہ تمام آوازیں شامل ہیں جو سنسکرت زبان میں موجود ہیں۔

شیر باز علی خان برچہ لکھتے ہیں: ضلع ہائے گلگت، دیامر اور غذر کے بیشتر علاقوں کی

زبان شنا ہے۔ شنا ہند ایرانی سلسلے کی پشاچہ شاخ ہے۔ اس لحاظ سے شنا کا اردو کے ساتھ براہ راست لسانی رشتہ جُڑتا ہے۔ (۱۸)

شنا کے ہند ایرانی اور پشاچہ زبان ہونے کے بارے میں ڈاکٹر شجاع ناموس لکھتے ہیں:

''بعض عالموں نے تخصیص کے لیے پشاچا کا نام دے دیا ہے مگر میری رائے میں یہ غلط راہِ تحقیق ہے۔ زبان کے لحاظ سے یہ لوگ آریائی کہلانے کے مستحق ہیں۔ چونکہ شنا، چترالی، کشمیری اور کوہستانی میں زیادہ عنصر آریائی ہے اور پساچا عنصر کم ہے اور ہم نے چونکہ اس خاندان کو آریائی قرار دیا ہے اس لیے پساچا کہنا غلط ہے۔ چونکہ پساچا لوگ تونسل کے اعتبار سے غیر آریائی ہیں۔ اس لیے ہم نے اس بحث میں پہلے دارد شاخ (اور پھر اس کو دارد خاندان) قرار دیا ہے۔ یہ زبانوں کا وہ گروہ ہے جو آریائی زبانوں کے مشرقی قبیلہ کی شاخ ہے۔ اس کے ماتحت جو شاخیں ہیں اُن کا نام خوار گروپ، دارد گروپ اور کافر گروپ رکھ دیا ہے۔ یعنی دارد خاندان کے ماتحت زبانوں کا ایک دارد گروپ موجود ہے۔ یہ تقسیم اس تقسیم سے مختلف ہے جو ہم نے اس کتاب کے دیگر حصوں میں کی ہے یا دیگر محققین نے کی ہے مگر صحیح معلوم ہوتی ہے۔'' (۱۹)

اس ضمن میں ایک تفصیلی بحث کے بعد ڈاکٹر ناموس لکھتے ہیں:

''اُن تمام تاریخی واقعات اور لسانی حقائق سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جدید پساچا زبانیں (یعنی دارد خاندان کی زبانیں) اپنی ذات کے لحاظ سے نہ تو ایرانی آریائی ہیں اور نہ ہند آریائی بلکہ زبانوں کا ایک جداگانہ گروہ ہے۔ پساچا زبانوں نے اپنی مخصوص شخصیت کو ایسے وقت میں پختہ کیا جب کہ اصل آریائی زبان سے نکل کر ہند آریائی زبانوں نے اپنا وجود قائم کرلیا تھا مگر ایرانی آریائی زبانوں نے اپنی ذات کو جداگانہ حیثیت نہیں دی تھی۔'' (۲۰)

ج (i) شنا اور دوسری زبانوں کے الفاظ:

شنا اور سنسکرت کے کئی الفاظ مشترک ہیں۔ اسی طرح شنا نے اپنے اردگرد کی زبانوں سے اثر قبول کیا ہے اور اُن کے الفاظ لیے ہیں۔ شنا میں بروشسکی اور بلتی کے بھی بہت سے الفاظ

موجود ہیں۔شنا کے علاقے کے ساتھ ہندکو زبان کا علاقہ (وادیٔ کاغان اور وادی نیلم) ہے۔غور سے دیکھا جائے تو بے شمار الفاظ ہندکو اور شنا میں مشترک ہیں۔نمونے کے طور پر چند الفاظ درج ہیں: بِی (بیس ۲۰)۔جیبھ (زبان)۔سُرنائی (شہنائی)۔دندِ (دانت)۔بانگ (اذان)۔چہ (چائے)۔لو (صبح)۔پھاگ (انجیر)۔مُلّا۔ہتھ (ہاتھ)

ج (ii) شنا اور اُردو کے الفاظ

شنا میں اسلام کے ورود سے عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ شامل ہو گئے ہیں اور اب اردو کے الفاظ بھی شامل ہو رہے ہیں۔نمونے کے طور پر چند الفاظ درج ہیں:

ایک۔دو۔چار۔نجس۔دُور۔تیل۔اُونٹ۔روزہ۔روزی۔یتیم۔تیمّم۔وضو۔برابر۔بہشت۔جنت۔دوزخ۔فرشتہ۔حُور۔قرآن۔قبلہ۔افطار۔خُدا۔عادت۔مسجد۔مُلّا۔کالا۔عمر۔مستی۔جوانی۔غلام۔قدیم۔بہت۔کتاب۔کاغذ۔قلم۔کاپی۔دوات۔تھال۔پیالہ۔کباب۔شراب۔بیلچہ۔اللہ۔رسول۔زیارت۔کافر۔گلاب۔فجر۔مسافر۔نوروز۔عید۔تکبیر۔باغ۔سنسار۔رباب۔نگار۔ابتدا۔آباد۔آبادی۔اتفاق۔اجازت۔آبپاشی۔اجل۔ابلاغ۔آبدوز۔آبرو۔بزدل۔پالک۔پردہ۔بدقسمت۔پروانہ۔پرچون۔باغی۔باورچی۔تبلیغ۔بااثر۔تصویر۔ٹانگہ۔تنخواہ۔ٹھیک۔ٹھوس۔تحقیق۔ٹکڑا۔تبصرہ۔ٹال مٹول۔جعلی۔جزیرہ۔ثابت۔ثالث۔جزیہ۔چابی۔ثواب۔ثبوت۔جابر۔ثقافت۔چوری۔چست۔حافظ۔حال۔چھاپ۔حاجت مند۔چاپلوس۔عابد۔صحیح۔طب۔ظالم۔غافل۔کپاس۔کاروبار۔ڈاکو۔زبان۔زاویہ۔زمانہ۔شاباش۔عرض۔غیبت۔گاہک۔قدرتی۔لالچی۔لعنت۔لمبائی۔نقشہ۔واحد۔ہادی۔یوم قیامت۔یوم پاکستان۔وظیفہ۔وفادار۔مال۔ماتحت۔کرامت۔گواہی وغیرہ۔

راقم نے ''شنا زبان وادب'' کے نام سے اکادمی ادبیات کی شائع کتاب کے دو تین مضامین دیکھے تو اُن میں اردو کے یہ الفاظ استعمال ہوئے تھے:

شمالی علاقہ، مربع میل، موجود، بڑی، مرکزی، قومی، مقبوضہ، تحریری، مطلب، خالی،

افسانے، ادبی لوازمات، ادبی لحاظ، ضرورت، تقریری، فہرست، تاریخی، ثقافتی، تحقیقی مقالے، حروف تہجی، ثبوت، دشمن، جنگ، ضلع، کتاب، قلمکاری، خوش نصیبی، سوداگری، وطن، زمینداری، عقائد، قدرت، رسم ورواج، باطل، نظام، حساب، تکلیف وغیرہ۔

(د) شنا کا رسم الخط:

ورود اسلام سے قبل شنا کا رسم الخط بودھی سنسکرت تھا۔ بارھویں صدی عیسوی میں گلگت میں اسلام کا ورود ہوا تھا۔ اُس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے میں ظاہر ہونے لگے اور بودھی سنسکرت رسم الخط کی بجائے فارسی رسم الخط کا رواج ہوا۔

سید کاشف رضوی لکھتے ہیں: ''شنا ایک قدیم ترین زبان ہے جو ہزاروں سال سے بولی جارہی ہے مگر یہ حیران کن امر ہے کہ بیسویں صدی تک شنا کا کوئی رسم الخط یا حروف تہجی نہیں تھے۔ پرانے چٹانی کتبوں، مخطوطوں اور چھال پر شنا زبان کی جو تحریریں ملی ہیں وہ خروشتی یا سنسکرت رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تمام تر تحریریں جو ماہرین آثار قدیمہ نے بڑی جانفشانی سے جمع کی ہیں، مخطوطاتِ گلگت کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ دستاویزات ایک بدھ سٹوپا میں محفوظ کردی گئی تھیں جن سے شنا کے قدیم ادب اور اسلوب تحریر پر تو روشنی پڑتی ہے تاہم رسم الخط کا سراغ نہیں ملتا۔'' (۲۱) سید کاشف رضوی کے اس بیان کے کئی پہلو محل نظر ہیں۔

(ہ) شنا کی تہجی:

ڈاکٹر شجاع ناموس شنا کی ابجد کی تفصیل بتاتے ہوئے عربی کی پوری ابجد (۲۹ حروف) اور فارسی کے خاص چار حروف (پ، چ، ژ، گ) شامل کر کے ان ۳۳ حروف کے بعد ہندی کے خاص حروف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندی کے خاص حروف یہ ہیں۔ ٹ، ڑ، ڈ، ے یائے مجہول۔

ہندی حروف یا ہائے مخلوط: ان چار حروف کے علاوہ ہندی کی بارہ آوازیں ایسی ہیں جن میں ہائی مختفی کی آمیزش ہے یعنی حرف اور ہائے مختفی دو الگ الگ آوازیں نہیں ہیں بلکہ ہائے

کی آواز حرف کے اندر شامل ہے۔ بولنے میں حرف اور ہائے دونوں کا آمیزہ بنا کر بولا جاتا ہے۔

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ(۱۱)'' (۲۲)

اس طرح ڈاکٹر ناموس نے اردو تہجی کے ۴۸ حروف شنا کی تہجی میں موجود بیان کیے ہیں اگر چہ اُن کے اس بیان کے کچھ پہلو محل نظر ہیں، مثلاً ''ہندی کے خاص چار حروف'' اور ان میں یائے مجہول کا شامل ہونا نیز انھوں نے اپنے بیان میں ہائے مخلوط کی بارہ آوازوں کا ذکر کیا ہے لیکن بیان صرف ۱۱ کی ہیں۔

شنا بولنے والے ادیبوں اور مصنفین کا خیال ہے کہ:

''شنا زبان میں اردو، عربی اور فارسی سے الگ تھلگ مخرج کے حامل چھے سے زائد حروف برآمد کیے گئے جو کہ درج ذیل ہیں...... باقی سارے حروف اردو کے شامل ہیں۔'' (یعنی اردو کی پوری تہجی......۵۲ حروف......شنا کی تہجی میں شامل ہے۔) (۲۳) اس اعتبار سے ڈاکٹر شجاع ناموس نے ۴۸ حروف کا ذکر کیا ہے اور پانچ حروف......آ، رھ، لھ، مھ، نھ......اردو کی تہجی میں شامل نہیں کیے اور ایک حرف کو جو حروف صحیحہ (ہائے مجہول) نہیں اردو تہجی میں شامل کر دیا ہے۔

ڈاکٹر شجاع ناموس شنا کے مخصوص حروف کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شنا زبان کے مخصوص حروف: اب شنا ابجد کے سب سے اہم حروف کی باری آئی۔ یہ حروف صرف شنا میں مستعمل ہیں اور کسی اور زبان عربی، فارسی، اردو میں اُن کا استعمال نہیں کیا جاتا:

خ، ڎھ، ڔ، ڛ، ڗ، ڗ، ڙ، ڇ''(۲۴)

ڈاکٹر شجاع ناموس کے بیان کے مطابق شنا کے کل حروف صحیحہ (اردو کے ۴۸ اور شنا کے خاص حروف ۸ مل کر) ۵۶ حروف کی تہجی ہے۔ پہلے ذکر ہوا کہ انھوں نے حروف صحیحہ کی تہجی میں ''ے'' یائے مجہول کو بھی شامل کیا ہے اور پھر اردو کے نو عدد (مفرد) واول کا ذکر کرتے ہوئے

یائے مجہول کو مفرد واول میں بھی شامل کر دیا ہے۔انھوں نے اردو واول کو پانچ گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے:

۱۔ چھوٹے واول تین۔ ۲۔ لمبے واول مجہول۔تین ۔۳۔ لمبے واول معروف دو

۴۔بہت لمبا واول ایک اور ۵۔دو مرکب واول

انھوں نے ''آ'' کو بہت لمبا واول کہہ کر الف ممدودہ آ لکھا: لیکن نصف صدی پہلے ماہرین زبان نے ''آ'' کو حروف تہجی میں شامل کر دیا ہے، اور یہ تصور ختم کر دیا ہے کہ اردو میں ''مد'' قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے۔اب ''آ'' ایک مکمل مفرد حرف صحیحہ ہے۔علاوہ ازیں اس بات کا جواز سمجھ میں نہیں آ رہا کہ انھوں نے واؤلین اور یائے لین کو مرکب واول کیوں قرار دیا۔اگر اس کی کوئی منطق ہے تو پھر واؤ معروف بھی مرکب واول کے زمرے میں ہونی چاہیے تھی۔(۲۵)

ڈاکٹر ناموس نے بات کو زیادہ پیچیدہ بنا دیا ہے ورنہ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اردو میں تین حرکات زبر، زیر اور پیش موجود ہیں اور تین حروف ا، و، ی ہیں جو حرف صحیح بھی ہیں اور حرفِ علت کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ان تینوں کی مجہول جبکہ دو (و،ی) کی معروف اور لین کیفیتیں بھی موجود ہیں۔اس بحث کی چنداں ضرورت نہیں تھی لیکن ڈاکٹر ناموس نے اردو اور شنا کا موازنہ پیش کیا ہے۔

شنا کے معاملے میں ڈاکٹر شجاع ناموس نے ا (الف)، یائے مجہول، یائے معروف، واؤ مجہول اور واؤ معروف میں سے ہر ایک کے چار چار اِعراب خفیف، کوتاہ، معیاری اور طویل متعین کیے ہیں۔انھوں نے یائے مجہول اور یائے معروف کی درمیانی ملواں شکلیں اور آخری ملواں شکلیں بھی متعین کی ہیں۔اُن کی بنائی ہوئی جدول درج کی جا رہی ہے۔انھوں نے شنا کے دو مرکب واول بھی لکھے ہیں جو وہی ہیں جو اردو کے (یائے لین اور واؤ لین) ہیں۔

ڈاکٹر شجاع ناموس کی مرتب کردہ شنا کے مفرد واولات کا جدول

		الف		یائے مجہول		یائے معروف		واؤ مجہول		واؤ معروف	
	نسبتی طول	آخر میں	بیچ میں	آخر میں	بیچ میں	آخر میں	بیچ میں	آخر میں	بیچ میں	آخر میں	بیچ میں
خفیف	۱/۴	ـٖ	[illegible]	ےٖ	ییٖ	یٖ	ـٖ	وٖ		ـُوٖ	ـُٖ
کوتاہ	۱/۲	ـَ	[illegible]	ے	ییِ	یِ	ـــ	وِ	[illegible]	ـُوِ	ـُ
معیاری	۱	ا	[illegible]	ے	یی	ی	ـیی	و		ـُو	[illegible]
طویل	۱½	آ	[illegible]	ےٓ	ییٓ	یٓ	ـییٓ	وٓ		ـُوٓ	[illegible]

ڈاکٹر شجاع ناموس نے بہت محنت سے شنا کے بیس ۲۰ واولوں کی جدول مرتب کی ہے لیکن بد قسمتی سے اُن میں سے بعض اِعرابوں کی شکلیں درست نہیں بنائی گئیں جس کے نتیجے میں تفہیم نہیں ہو رہی بلکہ التباس ہو رہا ہے۔

جدول میں ﭙ ، ﯿ ، ﯿ ، ﯿ ، ـﯿ ، ـﯿ ، دی گئی شکلیں تشدید (ـّ) سے تعلق رکھنے والی کوئی شکلیں معلوم ہوتی ہیں، جبکہ انھوں نے یائے صحیحہ، یائے معروف، یائے مجہول کی درمیانی ملواں شکلیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ شکلیں پہلے اور بعد کے (دو دونوں طرف کے) حروف کے ساتھ جڑتی ہیں۔ یہ شکلیں اسی طرح ہونی چاہییں "ﯿ"۔ یعنی اس جدول میں جہاں بھی یہ شکل ﯿ دی گئی ہے اسے اس طرح "ﯿ" بنایا جائے اور اس سے متعلق باقی علامات لگائی جائیں۔

شنا کے لیے ڈاکٹر ناموس نے آٹھ خاص حروفِ متعین کیے ہیں جن کا پہلے مذکور ہوا...... ڇ، ڇھ، ڕ، ڕس، ڙ، ڙ، ڙ، ڻَ۔ جب کہ پچھلی ربع صدی میں شنا لکھنے والوں نے اردو کی پوری تہجی (۵۲ حروف) اور شنا کے خاص چھے حروف پر مشتمل ۵۸ حروف کی تہجی لکھی ہے۔ انھوں نے شنا کے جو چھے مخصوص حروف اختیار کیے ہیں اُن کی شکلیں بھی ڈاکٹر ناموس کے متعین کردہ حروف سے مختلف ہیں۔ موجودہ چھے حروف یہ ہیں:

ݜ، ݗ، ݫ، ݰ، ݮ، ݱ ۔ (۲۷)

۱۹۸۵ء میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پر شنا زبان میں پہلی کتاب ''سُو مُولو رسُول ﷺ'' شائع ہوئی۔ اکبر حسین اکبر نے اپنی اس تصنیف کے آخر میں شنا کی حروف تہجی دی ہے جو اردو تہجی اور شنا کے مخصوص چھے حروف پر مشتمل ہے۔ انھوں نے کل ۵۰ حروف کے تہجی درج کی ہے، یعنی انھوں نے شنا کے چھے مخصوص حروف کے علاوہ اردو تہجی کے صرف ۴۴ حروف دیے ہیں۔ انھوں نے ہندی الاصل بھاری آوازوں والے پندرہ حروف میں سے صرف سات (بھ، پھ، تھ، ٹھ، چھ، کھ، گھ) کو تہجی میں شامل کیا ہے اور ایک یائے صحیحہ ''ی'' اور ایک ہائے مجہول ''ے'' کو بھی تہجی میں شامل کر دیا ہے جب کہ ماہرین زبان اردو دو یائے (ی، ے) کو تسلیم نہیں کرتے اور صرف یائے حرف صحیحہ کو تہجی میں شامل کرتے ہیں۔

اکبر حسین اکبر نے حروف تہجی میں ''آ'' کو شامل نہیں کیا جبکہ انھوں نے اپنی تصنیف کے انتساب میں پہلی سطر میں ''توم آجئ نوم اے جہ'' میں ''آ'' کا حرف، صفحہ ۱۰ پر ''حرف آغاز'' کے لفظ میں ''آ'' صفحہ ۱۷ پر دیباچے کی پہلی سطر میں ''قرآن'' اور دوسری سطر میں ''متبرک گہ مقدس آ کتاب ہن'' اور اس طرح متعدد مقامات پر ''آ'' کا حرف استعمال کیا ہے۔ تہجی میں ''آ'' کے موجود نہ ہونے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر حسین اکبر ''آ'' کو ''الف مدآ'' کے طور پر پڑھتے ہیں جبکہ ماہرین زبان نے نصف صدی پہلے ''آ'' کو حروف تہجی میں شامل کر لیا ہے اور اس حرف کے ماسوا اردو میں کہیں ''مد'' استعمال نہیں ہوتی اس لیے اردو میں ''مد'' قسم کی کوئی شکل یا علامت موجود نہیں۔

شنا کے مخصوص حروف کے بارے میں قبل ازیں ڈاکٹر ناموس کے بیان کردہ آٹھ حروف اور اُن کی شکلیں دی گئی تھیں۔ موجودہ دور میں شنا کے مخصوص چھے حروف اور اُن کی شکلیں دی گئی ہیں، لیکن ان موجودہ شکلوں اور ڈاکٹر ناموس کی دی گئی شکلوں میں فرق ہے۔ اکبر حسین اکبر نے شنا کے جو چھے مخصوص حروف دیے ہیں اُن کی شکلیں ماقبل بیان کردہ دونوں صورتوں سے مختلف

ہیں۔اُن کی بیان کردہ چھے صورتیں یہ ہیں:

ڇ، ݗ، ڙ، ݜ، ڇھ، ٿھ (۲۸)

اس طرح شنا کی تہجی میں شامل شنا کے مخصوص حروف کی تین مختلف صورتیں سامنے آ رہی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ ڈاکٹر ناموس کے یہاں شنا کے مخصوص حروف (آٹھ)

ݗ، ٿھ، ڀر، ڀس، ڐ، ڙ، رُ، نُ۔

۲۔ پچھلی ربع صدی سے شنا لکھنے والوں کے یہاں شنا کے چھے مخصوص حروف کی شکلیں یہ ہیں:

ځ، ݗ، ݫ، ݭ، چھ، ٿھ،

۳۔ اکبر حسین اکبر کی دی ہوئی تہجی میں دے گئے شنا کے مخصوص حروف کی شکلیں یہ ہیں:

ڇ، ݗ، ڙ، ݜ، ڇھ، ٿھ

شنا لکھنے والوں کی تحریریں دیکھتے ہوئے عجب قسم کی شتر گربگی نظر آتی ہے، یکسانیت نہیں نظر آتی۔ اکبر حسین اکبر نے شنا تہجی کے مخصوص حروف کی جو شکلیں درج کی ہیں وہ اپنی کتاب ''سومولو رسول ﷺ'' میں اسی طرح برتی ہیں۔ پوری کتاب میں جہاں کہیں وہ مخصوص حروف استعمال ہوئے ہیں وہ پہچانے جاتے ہیں لیکن عبدالخالق تاج کی کتاب ''شینا زبان و ادب'' کی تحریروں میں مخصوص حروف مختلف طریق سے لکھے گئے ہیں، اور ݗ یا ݜ، ڇھ، ڙ وغیرہ نقطوں کے بجائے اس طرح دیے گئے ہیں: ݫ، ݭ، ځ، چھ وغیرہ۔ علاوہ ازیں خود کتاب کے اندر املا کی یکسانیت موجود نہیں مثلاً صفحہ ۲۲، ۲۳ پر ݭ، ڃ (سڃر)، ݫ وغیرہ لیکن صفحہ ۲۵، ۲۶ پر وہی شکلیں/حروف اس طرح دیے گئے ہیں: ڇ، ݜ، ڙ، ݗ وغیرہ۔ یہ امر توجہ طلب ہے کہ حروف ځ کی شکل دی گئی ہے لیکن ڃ کی شکل نہیں دی گئی لیکن استعمال کی گئی ہے (صفحات ۲۲، ۲۳ وغیرہ)۔

اسی طرح مخصوص حروف میں ٹ ڑ یا ڑ دی گئی ہے جبکہ ڈ یا ڈ نہیں دی گئی اور استعمال کی گئی ہے مثلاً منڈک، منڈتے، منڈس، منڈو، وغیرہ (صفحہ ۲۶، ۲۷، ۲۸)۔ اسی طرح ٹ کی شکل نہیں دی گئی لیکن ہر جگہ شنا لکھتے ہوئے شنا لکھا گیا ہے۔ (۲۹)

بعض کتابوں/تحریوں میں سرے سے مخصوص حروف واضح ہی نہیں کیے گئے مثلاً انسائیکلوپیڈیا...... شمالی علاقہ جات...... لوک ورثہ۔ (۳۰)

ہم سمجھتے ہیں کہ شنا زبان کے ماہرین، محققین اور مصنفین کو اس شتر گربگی کو ختم کرنے کے لیے متفقہ طور پر ان حروف کی شکلیں متعین کرنی چاہییں تا کہ تحریروں کو پڑھنے میں کوئی ابہام نہ ہو اور املا میں یکسانیت موجود ہو۔

و۔ شنا کا ادب

ہر زبان کی طرح شنا زبان کا ادب بھی دو حصّوں پر مشتمل ہے، (۱) لوک ادب اور (۲) ادب (تحریری)

(۱) لوک ادب وہ ادب ہے جو متعلقہ تمام علاقے یا معاشرے میں مستعمل ہے، اسے سب برتتے ہیں لیکن اس کا کوئی فرد واحد خالق نہیں۔ لوک ادب کے اہم اجزا یہ ہیں:

(۱) لوک شاعری اور (ب) نثری لوک داستانیں اور کہانیاں

(الف) لوک شاعری میں معاشرتی مسائل، رسم و رواج، ماحول، حالات، روایات اور تاریخی واقعات پر مبنی رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ اور مختلف قسم کے لوک گیت شامل ہوتے ہیں۔

(ب) نثری لوک ادب میں دیو مالائی اور مافوق الفطرت داستانیں، لوک کہانیاں، محاورات و ضرب الامثال شامل ہوتی ہیں۔ نثری لوک ادب پر مختلف ادوار میں نیا رنگ روپ چڑھتا رہتا ہے۔ لوک شاعری اور نثری لوک ادب تحریری بھی ہو سکتا ہے اور ان لکھا، سینہ بہ سینہ چلنے والا بھی۔

(۲) ادب کا دوسرا حصہ ہے وہ تحریری ادب جس کا خالق موجود ہوتا ہے اور مرور ایام کے

طفیل بھی اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ وہ جس طرح تخلیق ہُوا اسی طرح رہتا ہے۔

ادب کے دو اہم حصے ہیں: (ا) شاعری اور (ب) نثری ادب

(الف) شاعری میں متعدد اصناف شامل ہیں مثلاً نظم، غزل، (قطعہ، رباعی)، نوحہ، مرثیہ، قصیدہ، شہر آشوب، نعت، حمدیہ کلام، مناجات اور آزاد نظم وغیرہ۔

(ب) نثری ادب میں افسانہ، ڈراما، ناول، سوانح نگاری، مضمون نویسی، تاریخ نگاری، سفرنامے وغیرہ شامل ہیں۔

شنا کے لوک ادب اور ادب کی مختلف اصناف اور اُن سے متعلق ادب کی تفصیل الگ الگ عنوانات کے تحت مابعد کے صفحات میں دی جا رہی ہے۔

(ز) لوک ادب

کسی بھی زبان کے قدیم ترین ادب کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ ادب، لوک ادب ہے، نیز لوک ادب دو واضح حصّوں پر مشتمل ہے

اوّل: لوک شاعری اور دوم: نثری لوک ادب

یہ قدیم ترین لوک ادب شاعری اور نثر دونوں میں تحریری شکل میں بھی ہوسکتا ہے اور ان لکھا، سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والا بھی۔ لوک ادب کو عوام اپنی زندگی میں برتتے ہیں اور یہ زبان زدِ عام ہوتا ہے۔

لوک ادب کسی علاقے کی تاریخ، واقعات، روایات، رسم و رواج، جذبات و احساسات، توہمات اور مذہبی، معاشی و معاشرتی حالات سے جنم پاتا ہے۔ لوگ ان روایات کو خوبصورت رنگ کے دے کر واقعات، جذبات و احساسات کو خوبصورتی سے سمو کر پیش کر دیتے ہیں۔

معاشرتی و معاشی حالات، رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ واقعات و روایات کو لوگ ایک آہنگ دے کر لوک گیتوں کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہ لوک گیت چونکہ معاشرتی سچائیوں پر مبنی

ہوتے ہیں اس لیے یہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

لوک شاعری میں رزمیہ گیت موجود ہوتے ہیں جو مختلف روایات اور تاریخی حقائق پر مبنی ہوتے ہیں۔ معاشی اور معاشرتی حالات کے تحت جنم پانے والے بزمیہ اور عشقیہ گیت بھی موجود ہوتے ہیں۔ سیر وشکار اور ماحول سے متعلق گیت اور شادی بیاہ، منگنی اور مہندی کی رسومات اور رواجوں سے متعلق لوک گیت شامل ہوتے ہیں۔

نثری لوک ادب دیومالائی اور مافوق الفطرت داستانوں، لوک کہانیوں، تلمیحات و ضرب الامثال پر مشتمل ہوتا ہے۔ لوک ادب اردگرد کے دوسرے علاقوں اور زبانوں پر اثر انداز ہوتا ہے بالخصوص ملحقہ علاقوں کے ادب کو داستانوں اور کہانیوں کے ضمن میں متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح دوسرے علاقوں کے لوک ادب سے اثر پذیر بھی ہوتا ہے۔ شنا لوک ادب کی شاعری اور نثر کے حصّوں پر الگ الگ بحث کی جارہی ہے۔

(ج) لوک شاعری

لوک شاعری عام طور پر کسی بھی زبان کا بنیادی ادب یا شاعری ہوتی ہے۔ لوک شاعری میں عام طور پر شعری ضابطوں کا پورا خیال نہیں رکھا جاتا۔ یہ دراصل واقعات، احساسات اور جذبات کو ایک آہنگ کے ساتھ بیان کر دینے کا نام ہے۔

لوک شاعری میں گیت، نظمیں، مثنویاں، قصیدے، مرثیے، قطعات، رباعیات، لوریاں اور بجھارتیں شامل ہوتی ہیں۔ گیت رومانی روایات پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ معاشرت کے طور طریقوں کے عکاس ہوتے ہیں۔ یہ زندگی کے دکھ سُکھ سمیٹے ہوتے ہیں۔ ان کی اساس روایات اور تاریخی واقعات پر مبنی ہوتی ہے۔

لوک شاعری میں عشقیہ اور رومانی شاعری کے علاوہ روحانی وحقانی شاعری بھی شامل ہوتی ہے۔ یہ روحانی وحقانی شاعری اقدار کی علمبردار ہوتی ہے اور ان قدروں کے تحفظ اور آبیاری کی امین ہوتی ہے۔ تاریخی واقعات پر مبنی رزمیہ نظمیں، مثنویاں، قصیدے بھی لوک شاعری کا حصہ

ہوتے ہیں۔

لوک شاعری عام طور پر معاشرے کے بڑے حصّے میں سُنی اور برتی جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں رنگ بدلتا رہتا ہے، نکھار پیدا ہوتا رہتا ہے، اس لیے کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ کوئی گیت، شعر یا مصرعہ اصل میں کیا تھا کیونکہ اس کے خالق کے بارے میں بھی کوئی حتمی دعویٰ نہیں کرسکتا۔

شنا کی لوک شاعری میں لوک گیت، شادی بیاہ کے لوک گیت، شکار و سیر و سیاحت کے گیت، کھیل سے متعلق گیت، لوریاں اور بُجھارتیں وغیرہ شامل ہیں۔

ح (i) لوک گیت

پہلے مذکور ہُوا کہ عام طور پر اکثر زبانوں میں ادب کا آغاز شاعری سے ہوا اور شاعری کا آغاز لوک گیتوں سے، کیونکہ گیت مختصر بھی ہوتے ہیں اور کسی ایک بات سے متعلق ہوتے ہیں نیز ان میں شعری اصولوں کی سختی سے پابندی مدنظر نہیں رکھی جاتی۔

لوک گیت اسی معاشرے میں تخلیق پاتے ہیں۔ یہ اسی علاقے کے لوگوں کے ہونٹوں سے دکھ سکھ اور پیار محبت کے نکلے ہوئے بے ساختہ کلمات ہوتے ہیں جو زندہ و جاوداں ہوجاتے ہیں۔ ان لوک گیتوں میں جدائی کی حکایتیں بھی ہوتی ہیں اور جفا اور وفا کی شکایتیں بھی۔ ان لوک گیتوں میں سماج کی بندشوں کا مذکور بھی ہوتا ہے اور ہجر و وصال کی داستانیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہ لوک گیت محبوب کے انتظار کی طویل اور تکلیف دہ کڑی گھڑیوں کے درد کو بھی بیان کرتے ہیں اور رقابتوں کی جلن سے اٹھتے دھوئیں کی تجسیم بھی کرتے ہیں۔ الغرض یہ لوک گیت اپنے اندر خوشی اور غم کی انسانی زندگی کی تمام کیفیتوں کو سمیٹے ہوتے ہیں۔

لوک گیتوں کے پس منظر میں اہم تاریخی، سیاسی، رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ اور حزنیہ واقعات موجود ہوتے ہیں۔ کسی بھی دور میں کوئی اہم واقعہ کسی نامعلوم فرد کے ہونٹوں سے سادگی سے سچے

جذبات اور آہنگ سے ادا ہونے والے کلمات گیت کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں اور امر ہو جاتے ہیں۔ گیت میں جتنی انسانی جذبوں کی سچائی، سادگی، ماحول سے مطابقت اور بے ساختگی ہوتی ہے گیت اتنا ہی زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ سننے والے اسے اپنے دل کی آواز محسوس کرنے لگتے ہیں۔ جو گیت سچائیوں کے مظہر ہوتے ہیں وہ برسوں نہیں بلکہ صدیوں تک زندہ رہتے ہیں۔

شنا زبان بھی لوک گیتوں کا بہت وافر ذخیرہ رکھتی ہے اور ان لوک گیتوں میں عشقیہ، بزمیہ، رزمیہ گیت موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ یہاں پیش ہیں۔

لوک گیت

کہا جاتا ہے کہ گلگت کے ایک مضافاتی گاؤں دنیور میں لسکر نامی ایک شخص بھوت کے ہتھے چڑھ گیا۔ بھوت لسکر کو اُٹھا کر ایک چٹان کے شگاف میں داخل ہوا۔ چند لمحوں کے بعد لسکر نے اپنے آپ کو عالی شان محل کے سجے سجائے دالان میں پایا جہاں بہت سے بھوت اور بھوتنیاں ناچ گانے میں مصروف تھے۔ وہ یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوا کہ اس محفل میں گاؤں کے بہت سے مرحومین بھی موجود تھے۔ ان رفتہ وگزشتہ لوگوں کو جیتے جاگتے دیکھ کر اس پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ لسکر وہاں سے آگے بڑھا تو وہاں ایک شادی کی تقریب عروج پر تھی اور دلھن کی ماں یہ گیت گا رہی تھی:

اے بُدُل کی دختر نیک اختر! گیہوں بانٹ دو ہاں گیہوں بانٹ دو
ہُو ہاہُو ہا

اے بدل کی دخترِ نیک اختر! گھی بانٹ دو ہاں گھی بانٹ دو
ہُو ہاہُو ہا

اے بُدُل کی دختر نیک اختر! گوشت بانٹ دو ہاں گوشت بانٹ دو
ہُو ہاہُو ہا

اے بُدُل کی دختر نیک اختر! شراب بانٹ دو ہاں شراب بانٹ دو

سورمائی گیت

شری بدت گلگت کا ایک ظالم اور مردم خور راجا گزرا ہے۔ وہ کمسن بچوں کا گوشت کھایا کرتا تھا۔ اس کے کارندے شاہی مطبخ کے لیے روز کے روز ایک بچہ فراہم کرتے تھے۔ یوں گلگت کے لوگ بڑے پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ اس شقی القلب اور بھیانک حکمران سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔

روایات کے مطابق گلگت کا ایک دلیر آدمی شری بدت سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہوگیا۔

اسی پس منظر کے حوالے سے ایک گیت اب تک بڑوں چھوٹوں کو یاد ہے:

شری بدت خود کو مضبوط کہتا ہے، شری بدت خاک مضبوط ہے
میں یعنی ڈِم سنگھ کا کھوتو مضبوط ہوں
میں اس آہنی کدال سے تمھارے محل کو زمین بوس کردوں گا
سنو! تم خود کو مضبوط سمجھتے ہو!!
لیکن میرا نام بھی ڈِم سنگھ ہے!! دیکھنا! میں تمھارے ساتھ کرتا کیا ہوں
میں اس آہنی کدال سے محل کے بیخ و بُن کو اکھیڑ دوں گا (۳۱)

☆☆☆

عشق و محبت کے گیت

عشق و محبت کے گیتوں کو چنہ گائی/ چِنئی گائے کہتے ہیں۔

ایک گیت کا ترجمہ یوں ہے: (۳۲)

صبح سویرے اپنے مذہبی عبادات ادا کرنے کے بعد
میں نے خدا کے حضور غریب کی دعا قبول کرنے کی استدعا کی
پھر اپنے محبوب کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ

ہاتھی کے دانتوں کی طرح سفید دانت، سرکنڈے کے پودے
کی طرح لچکدار جسم اور مشک کی طرح اس کی خوشبودار زلفیں ہیں
اے میرے پیارے بلبل تم ہی میری تمنا ہو

ایک چلاسی لوک گیت بہت مشہور ہے اس کا ترجمہ یوں ہے:
(شاعری کی محبوبہ گچھ میں رہتی ہے اور اس کا دوست گچھ جا رہا ہے۔ شاعر اپنے دوست کو مخاطب ہو کر کہتا ہے)(۳۲)

اے میرے پیارے دوست! تو گچھ جا رہا ہے
میری شاہینوی سے ملاقات ہوئی تو اسے میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ
میں گھر کیسے جاؤں میری حقیقی ماں نہیں بلکہ ایک بڑا سانپ ہرگن
(سوتیلی ماں) مجھے ڈسنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ اے صمد خان کی باعزت بیٹی!
میں بانسری بجاؤں گا، مجھے بانسری دے دے میں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔

جُدائی کا گیت

خسرو[۱] کی گولیوں نے بہت سوں کو دوسری دنیا میں پہنچا دیا
میرے بچّے! تیرا باپ تولام پر چلا گیا ہے
وہ جیسے ہی لوٹتا ہے، ہم سمجھیں گے سورج پھر طلوع ہوا
لیکن میرے بچے! میں اب بھی اُس کی صحت کے بارے میں پریشان ہوں
خطرہ اب تک ٹلا نہیں کیونکہ ''دُولجہ''[۲] اب تک زیر نہیں ہوا

ح (ii) شادی بیاہ کے گیت

شادی بیاہ کے موقع پر جو گیت گائے جاتے ہیں ''برانگی گائی'' کہلاتے ہیں۔ یہ

گیت مخصوص ہیں اور رسمِ حنا بندی کے وقت یا دولھا، دُلھن کے استقبال یا الوداع کے وقت گائے جاتے ہیں۔

اس موقعے کے ایک گیت کا ترجمہ یوں ہے: (۳۳)

اے دخترِ شہباز! آ بھی جا

اپنے باپ کے کاشانے سے آ بھی جا

اے آبشار کی پری! نہ رو، تیرا رنگ پھیکا پڑ جائے گا۔

اے اپنے بھائی کی لاڈلی! نہ رو، تیرا رنگ ماند پڑ جائے گا۔

شنا میں شادی کو ''گر'' اور شادی کے موقع پر گائے جانے والے گیتوں کو ''گریا گائیے'' کہتے ہیں۔ ایسے گیت عام طور پر دولھا کی بہنیں، خالائیں، پھوپھیاں وغیرہ اپنے خاندان کی تعریف میں گاتی ہیں۔ ایسے ہی گیت کا ترجمہ درج ذیل ہے: (۳۴)

اے مثلِ آفتاب گوری تھم! صبح ہوگئی، ہمارے گھر خوشی در آئی ہے۔

روئے زمین پر روشنی پھیل گئی اور دنیا چمک اٹھی

اے ملک کے پوتے! صبح ہوگئی۔ روئے زمین پر روشنی پھیل گئی

اور دنیا چمک اٹھی

اے مثلِ آفتاب حبیب خان! صبح ہوگئی۔ روئے زمین پر روشنی

پھیل گئی اور دنیا چمک اٹھی۔

تمھاری والدہ محترمہ نے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کچھ کیا ہے

تو بھی سارگن گلگت کو سنوار کر رکھ اور اس کی دیکھ بھال میں

کوتاہی نہ کر۔

اے ملک کے پوتے! صبح ہوگئی۔ تمھاری والدہ محترمہ نے لوگوں کی فلاح و

۱؎ خسرو...... ایک قدیم راجا

۲؎ دُولجہ...... خسرو کے دشمنوں کا وطن

بہبود کے لیے بہت کچھ کیا ہے تُو بھی سارگن گلگت کو سنوار کر
رکھ اور اس کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کر

شنا زبان میں ''تاؤ'' اور ''رسمِ مہندی'' سے متعلق بھی گیت موجود ہیں۔ دولھا کے گھر رسم تاؤ کی رات گزارنے کے بعد صبح صادق کے وقت ایک شخص گیت گاتا ہے جبکہ متعلقہ شخص ایک شعر پورا گاتا ہے تو دوسرا اسی کو دہراتا ہے۔ اس گیت کو صبح صادق کا گیت بھی کہتے ہیں۔

دولھا لباس عروسی پہنتا ہے تو گیت گایا جاتا ہے جو دولھا کے لیے ترغیب ہوتی ہے کہ وہ بھی بول دہرائے جو یہ ہیں:

''میں اندرون خانہ جا کر اپنی پیاری اماں کو جس نے مجھے دودھ پلایا
ہے، سلام کروں گا۔''

دولھا ماں کی قدم بوسی کے بعد واپس لوٹتا ہے تو ساتھی یہ گیت گاتے ہیں: (۳۲)

ترجمہ: وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔ آج کا دن بڑا مبارک ہے۔ وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔ اس وزن دار پتھر کا وزن سونے سے کیا جائے گا۔ وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔

برات کے دُلھن کے گھر پہنچنے پر نشانہ بازی کے لیے باریک سا نشان بنایا ہوا ہوتا ہے۔ بارات والے باری باری اس نشانے پر فائر کرتے ہیں اور جیت کی خوشی میں گیت گاتی ہیں: (۳۲)

ترجمہ: اے دلھن والو! تم بخوشی تبک (نشان) کے دو نشانے گاڑو۔ اس سے ہمارے بھائیوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارے سارے بھائی (باراتی) مشہور نشانہ باز اور شکاری ہیں۔

شنا کا عروسائی گیت

گیت کا ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیّا کیا جو یوں ہے:

اے اپنی ماں کی لاڈلی ''بیرانی'' اب تُو زیور پہنے گی

بہبود کے لیے بہت کچھ کیا ہے تُو بھی سار گن گلگت کو سنوار کر

رکھ اور اس کی دیکھ بھال میں کوتاہی نہ کر

شنا زبان میں ''تاؤ'' اور ''رسمِ مہندی'' سے متعلق بھی گیت موجود ہیں۔ دولھا کے گھر رسم تاؤ کی رات گزارنے کے بعد صبح صادق کے وقت ایک شخص گیت گاتا ہے جبکہ متعلقہ شخص ایک شعر پورا گاتا ہے تو دوسرا اسی کو دہراتا ہے۔ اس گیت کو صبح صادق کا گیت بھی کہتے ہیں۔

دولھا لباس عروسی پہنتا ہے تو گیت گایا جاتا ہے جو دولھا کے لیے ترغیب ہوتی ہے کہ وہ بھی بول دہرائے جو یہ ہیں:

''میں اندرون خانہ جا کر اپنی پیاری اماں کو جس نے مجھے دودھ پلایا ہے، سلام کروں گا۔''

دولھا ماں کی قدم بوسی کے بعد واپس لوٹتا ہے تو ساتھی یہ گیت گاتے ہیں: (۳۲)

ترجمہ: وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔ آج کا دن بڑا مبارک ہے۔ وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔ اس وزن دار پتھر کا وزن سونے سے کیا جائے گا۔ وزن دار پتھر وزن دار ہوگا۔

برات کے دُلھن کے گھر پہنچنے پر نشانہ بازی کے لیے باریک سا نشان بنایا ہوا ہوتا ہے۔ بارات والے باری باری اس نشانے پر فائر کرتے ہیں اور جیت کی خوشی میں گیت گاتی ہیں: (۳۲)

ترجمہ: اے دلھن والو! تم بخوشی تبک (نشان) کے دو نشانے گاڑو۔ اس سے ہمارے بھائیوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہمارے سارے بھائی (باراتی) مشہور نشانہ باز اور شکاری ہیں۔

شنا کا عروسائی گیت

گیت کا ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیّا کیا جو یوں ہے:

اے اپنی ماں کی لاڈلی ''بیرانی'' اب تُو زیور پہنے گی

لیکن یہاں "بُلدار" میں میری جنت خزاں رسیدہ ہوگی

اب آل فلستہ نگر کا شہزادہ خان آجائے گا

تمھارا باپ میر خان اس موقع پر گیہوں تقسیم کرے گا

میری جان! شُد وملک کے لیے تم سات دریاؤں کا سرور اور پانی ثابت ہونا اب تمھارا

باپ رخصت ہوتے ہوئے مہمانوں کی تواضع گھی سے کرے گا۔

☆☆☆☆☆☆

ح (iii) شکار کے گیت

شنا میں لوک گیتوں میں شکار کے گیتوں (دورحیَ گائے) کی فراوانی ہے۔ ہم یہاں

شکار کے دو گیتوں کا ترجمہ دے رہے ہیں۔ (۳۲)

کل اَی گہ چھال (کیل بکری اور میمنا)

میمنا: ماں! وہ دیکھو ایک شکاری پہاڑ کے اوپر نظر آ رہا ہے

کیل بکری: نہیں! وہ تو ایک مینار ہے

میمنا: یہ آواز تو بندوق کی معلوم ہوتی ہے۔

کیل بکری: نہیں! یہ تو بادل گرجنے کی آواز ہے۔

میمنا: آپ کے جسم پر خون کے دھبے کیسے ہیں؟

کیل بکری: نہیں! یہ خون کے دھبے نہیں ہیں۔ میں صبح ایک لال رنگ والی گھاس پر

لیٹی تھی۔

میمنا: آپ کی ٹانگیں کیوں لڑکھڑا رہی ہیں؟

کیل بکری: اچھا میرے لختِ جگر! میں تجھ سے ہمیشہ کے لیے

رخصت ہوتی ہوں اور تجھے نیلگوں آسمان والے

اور پہاڑ کی دوسری طرف رہنے والے تیرے بڑے

سینگوں والے ماموں کے سپرد کرتی ہوں۔

اس گیت میں اختصار کے ساتھ درد و بے بسی کا بہت گہرا رچاؤ ہے۔ اس میں ماں کا بچے کو حوصلہ دینے اور مشکل حالات میں اپنے اقربا سے رجوع کرنے کی تلقین موجود ہے۔

دوسرے گیت کا ترجمہ یہ ہے: (۳۲)

وہ دیکھو مست مارخور کس شان سے جھوم رہا ہے

وہ دیکھو پشم اور سمور سے لدا ہوا کس شان سے جھوم رہا ہے

وہ دیکھو خوبصورت سینگ اور چہرے والا کس شان سے جھوم رہا ہے

وہ دیکھو عمومی چٹانوں پر سم جمانے والا کس شان سے جھوم رہا ہے

ط۔ شنا کی شاعری

روایت ہے کہ شنا کا قدیم ترین شاعر دینل کھمیٹو تھا۔ شنا کی باقاعدہ شاعری تین ادوار میں تقسیم کی جاتی ہے۔ پہلا دور ۱۸۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک کا ہے۔ اس دور میں شنا شاعری کا زیادہ تر مرکز مذہبی شاعری پر رہا۔ اس دور میں ہر بڑے شاعر نے حمد، نعت اور مرثیے کہے۔ اس دور کے نمائندہ شاعروں میں اخوند مہربان، وزیر احمد خان، محمد رضا نگر، صمد خان اور خلیفہ رحمت ملنگ جان کے نام شامل ہیں۔

شنا کی شاعری کے دوسرے دور ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۶ء میں پیر غلام النصیر المعروف بابا چلاسی، کا صوفیانہ کلام، خلیفہ رحمت ملنگ جان کا کلام شائع ہوا۔ اس دور میں شنا شاعری میں نئے نئے رجحانات شامل ہونے لگے۔ شاعری میں ترانے کی صنف کا اضافہ ہوا، فضل الرحمٰن عالمگیر نے پہلا ترانہ ''سونی وطن گلیت'' لکھا۔ ان کی تقلید میں متعدد شاعروں نے ولولہ انگیز ملی نغمے اور نظمیں لکھیں۔

شنا کی شاعری کا تیسرا دور ۱۹۶۶ء سے شروع ہوا۔ یہ دور شنا شاعری کے عروج کا دور ہے۔ اس دور میں قافیہ پیمائی کی بجائے زندگی کے مسائل کو موضوع بنایا گیا۔ اس دور کے نمائندہ شاعروں میں پیر غلام النصیر المعروف بابا چلاسی، فضل الرحمٰن عالمگیر، راجی الرحمت نظر، محمد امین ضیا،

غلام نبی وفا، عبداللہ ملنگ، عبدالخالق تاج، شجاعت علی خان، گوہر علی گوہر، جان علی، صلاح الدین حسرت، نعمت ولی تبسم، میر فاضل شاہ، اثیر جلال آبادی، اکبر حسین اکبر، سید نجم الحسن نجم، شاہ خان، عنایت اللہ شمالی، بہرام خان شاد اور جمشید خان دُکھی شامل ہیں۔

شنا شاعری کی مختلف اصناف، اُن سے متعلق چیدہ شعرا اور اُن کے نمائندہ کلام کے نمونے مابعد صفحات میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اصناف میں حمد (دعا، مناجات) نعت، مرثیہ، نوحہ، قصائد، اخلاقی / مذہبی شاعری (نظم)، ترانے اور غزل شامل ہیں۔

شنا کے مشہور شاعر

شنا کے مشہور شاعر ہیں: اخوند مہربان، وزیر احمد خان، صمد خان، خلیفہ رحمت ملنگ جان، راجی رحمت نظر، پیر غلام النصیر المعروف بابا چلاسی، اخوند محمد رضا، گوہر علی گوہر، اخوندزادہ حسین اکبر، فضل علی، جمشید خان دُکھی، فضل الرحمان عالمگیر، محمد امین ضیا، محبت علی قیصر، غلام نبی وفا، شجاعت علی خان، عبداللہ ملنگ، عبدالخالق تاج، جان علی، صلاح الدین حسرت، نعمت ولی تبسم، میر فاضل شاہ اثیر، اکبر جان اکبر، نجم الحسن، شاہ خان، عنایت اللہ شمال اور بہرام خان شاد۔

ط(i) شنا حمدیہ شاعری کے نمونے

وزیر احمد خان (۱۸۶۹ء۔۱۹۳۶ء) استور کے رہنے والے اور علم و فضل کے مالک فرد تھے۔ وہ عربی اور فارسی کے بھی اچھے شاعر تھے شنا زبان میں حمد الٰہی کہا کرتے تھے۔ اُن کی ایک حمد ہے:

حمد وثنا سو خدا جا　　　　درود ژینا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جا

حمد کا ترجمہ یہ ہے: (۳۳)

پہلے خدا کی حمد اور ثنا کرو، پھر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو جو ہمارا خیر الوریٰ ہے۔ اے خدا! اپنے اس شرمندہ بندے پر رحم کر۔ یارِ اول یارِ غار (صدیق رضی اللہ عنہ) ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں میں سے ہیں۔ میں عباس رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتا ہوں۔ اے خدا! اس شرمندہ

بندے پر نظر کرم کر۔

پنج تن خاصانِ حق ہیں۔ بارہ امام بھی برحق ہیں۔ اے خدا اپنے اس شرمندہ بندے پر نظر کرم کر۔ قیامت کے دن سب امتیں اپنے نبیوں کے ہمراہ تیرے جھنڈے کے نیچے چلے آئیں گی اے خدا! اپنے اس شرمندہ بندے پر نظر کرم کر۔ میں نے گناہ کیا اور مجھ سے خطا سرزد ہوئی اور میری تمام عمر رائیگاں گئی۔ بالآخر اس احمد کو بخش دے۔ اے خدا! اپنے سے شرمندہ بندے پر نظر کرم کر۔

محمد رضا نگر کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بہت سی دعائیہ نظمیں لکھی ہیں۔ محمد رضا کی یہ دعائیہ نظمیں سکولوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ایک مشہور دعائیہ نظم یہ ہے:

جیبھ گی خُدا دار شکر تھیم　　　شش گی تو واری سجدہ دیم

ترجمہ اس طرح ہے: (۳۳)

میں زبان سے خدا کا شکریہ ادا کروں گا اور سر سے اے خدا تیرے آگے سجدہ بجالاؤں گا۔ تجھ سے ہی روزی کے لیے دست طلب دراز کروں گا۔ اے اللہ تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ پیغمبرؐ خدا برحق ہیں۔ وہی شافع محشر ہیں۔ تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ تو علم والا ہے۔

میری کچھ عمر تو بچپن میں گزری اور کچھ جوانی کی مستی ہیں۔ اب بڑھاپے نے آن گھیرا ہے تو ہی طاقت دے۔

اے رحم کرنے والے اللہ! اے مادرِ فاطمہ! تو سب عورتوں سے نیک ہے میری جان تجھ پہ فدا ہو۔ مجھ اس ناتواں کے حال کو مت بھولنا کیوں کہ رضا آپ کا پرانا غلام ہے۔

بھاری پتھر پانی کی سطح پر تیریں گے اور ہلکے برتن پانی میں ڈوب جائیں گے اپنے بیگانے ہوں گے۔ اے کریم تو مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

پت جھڑ کے موسم کے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح عمر گزر گئی اور خوبصورت پھول کی

طرح گرکر خاک میں مل گئی۔

طاقت اور ہمّت کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اے فتح دینے والے اور جاننے والے تو طاقت بخش!

اخوند محمد رضا نے بہت سی مناجات لکھی ہیں۔ اُن کی ایک طویل مناجات اکبر حسین اکبر نے اپنی سیرت کی کتاب ''سومولو رسول ﷺ'' کے آخر میں شامل کی ہے۔

ط (ii) نعت

شنا زبان میں بہت سے شاعروں نے نعتیں کہی ہیں۔ چند نعت گو شاعروں کے کلام کے نمونے درج ہیں:

پیر غلام النصیر چلاسی المعروف بابا چلاسی گاؤں تھک میں پیدا ہوئے۔ ان کی مذہبی شاعری کے دو مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ اُن کے کلام کا نمونہ پیش ہے:

محمد مصطفٰے ﷺ محبوب رب ہوں شفیع المذنبین شاہِ عرب ہوں

ترجمہ یہ ہے: (۳۲)

محمد مصطفٰے ﷺ رب کے محبوب ہیں۔ آپ ﷺ گناہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ عرب کے بادشاہ ہیں۔

آپ ﷺ انبیاؑ اور ساری مخلوق کے سردار ہیں۔ سرداری آپ ﷺ کا اعلیٰ نسب ہے۔ آپ ﷺ کے عاشق بلالؓ غلام ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی محبت کی وجہ سے بڑے مرتبے والے ہوگئے اور ابولہب اعلیٰ نسب والا ہونے کے باوجود آپ ﷺ سے دشمنی کی وجہ سے ذلیل و خوار ہوگیا۔

جس کی زبان پر درود محمد مصطفٰے ﷺ نہیں وہ بڑا بد بخت اور بے ادب شخص ہے۔

اکبر حسین اکبر نگر کے گاؤں نلت میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شنا زبان میں سیرت طیبہ پر پہلی کتاب لکھی ہے۔ اکبر حسین اکبر نے نعتیں بھی کہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب ''سومولو

رسول ﷺ''، میں اپنی پانچ نعتیں شامل کی ہیں۔

اکبر حسین اکبر نے اپنی کتاب ''سومولو رسول ﷺ'' میں پیر غلام النصیر چلاسی کی ایک نعت کتاب کے آخر میں شامل کی ہے جس کا مطلع ہے:

تُو فخر انبیاءؑ ہوں او محمد ﷺ تو محبوبِ خُدا ہوں او محمد ﷺ

راجی رحمت نظر ضلع دیامر کے گاؤں گوہر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے شنا زبان میں مذہبی شاعری کی ہے۔ آپ نے بہت سی نعتیں کہی ہیں۔

راجی رحمت نظر کے کلام کا نمونہ پیش ہے:

محمد ﷺ رسول اللہ یوسئی مالو عبداللہ

ملئی نوم ہن آمنہ مطلب سئی دادو

ترجمہ اس طرح: (۳۶)

محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ والدہ کا نام آمنہ، دادا کا نام عبدالمطلب ہے۔

پردادے کا نام ہاشم ہے۔ سنو قصّہ یوں ہے:

ماہ ربیع الاوّل پیر کے دن عام الفیل کے سال صبح کے وقت ہمارے پیغمبر ﷺ کی پیدائش ہوئی اور ہمارے لیے قدرت یعنی اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ مثال ہماری رہبری کے لیے آئی۔

راجی رحمت نظر کی ایک نعت ہے: (۳۶)

محمد ﷺ اَسی ذی شان گُھی عادت سِی قرآن

سِسی پا تور لامکاں مگا ی ماہِ تابان

مدینای آسمان سُوری سنگ تھریگو بُٹی جہان

ترجمہ ہمارے محمد ﷺ بڑی شان والے ہیں۔ قرآن اُن کی صُورت اور سیرت کا مظہر ہے لامکان آپ ﷺ کے قدموں تلے ہے۔ آپ ﷺ مکّے کے ماہِ تاباں ہیں اور

مدینے کے آسمان پر سورج بن کر جگمگا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے نُور سے پُوری دنیا روشن ہے۔

کشروٹ، گلگت کے جمشید دُکھی نے بھی مذہبی شاعری کی۔ انھوں نے نعتیں بھی کہی ہیں۔ ان کے کلام کا نمونہ پیش ہے:

دشمن مشرکین تو صادق تو ہنو امین تو
بیت اللہ ہن مکین تو لو لاک لما خلقتہ
لافلاک تھئ صفت ہیں
رحمتہ للعالمین تو

ترجمہ اس طرح ہے: (٣٦)

اے میرے آقا آپ ﷺ مشرکین کے دشمن اور اُن کے ساتھ دشمنی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے تھی۔ آپ ﷺ کا لقب صادق اور امین ہے۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے مکین ہیں۔ ساری دنیا کی تخلیق صرف آپ ﷺ کے لیے کی گئی ہے۔ اگر آپ ﷺ کو پیدا نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ یہ دنیا بھی نہ بناتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

محمد امین ضیا گلگت شہر کے رہنے والے ہیں۔ اردو اور شنا زبان میں شاعری کرتے ہیں انھوں نے شنا زبان میں نعتیں بھی کہی ہیں۔ اکبر حسین اکبر نے اپنی کتاب میں اُن کی ایک نعت شامل کی ہے۔

محمد ولی نگری بھی شنا زبان میں نعت کہتے رہے ہیں۔ اُن کی ایک نعت اکبر حسین اکبر نے اپنی کتاب میں شامل کی ہے۔

فضل الرحمٰن عالمگیر پنیال کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے شنا زبان میں ترانے لکھے ہیں۔ انھوں نے نعتیں بھی کہی ہیں۔ اُن کی لکھی ہوئی نعتوں میں سے ایک نعت اکبر حسین اکبر نے

اپنی کتاب ''سومولو رسول ﷺ'' میں شامل کی ہے۔

عزت اللہ شہزاد نے بھی شنا زبان میں نعتیں کہی ہیں۔ اکبر حسین اکبر نے اُن کی کہی ہوئی نعتوں میں سے دو نعتیں اپنی کتاب ''سومولو رسول ﷺ'' میں شامل کی ہیں۔

فاضل شاہ اثیر جلال آبادی کی ایک نعت رسول مقبول ﷺ کا اردو ترجمہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ یہ نعت مجموعہ ''گلزارِ اہلِ بیت'' سے لی گئی ہے اس کا ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیا فرمایا۔ ''نعت حضور ﷺ'' کے عنوان مطبوعہ نعت کا اردو ترجمہ یوں ہے: (۳۱)

آپ ﷺ کی ذات گرامی کے لیے دنیا خلق کی گئی ہے
نہ صرف دُنیا بلکہ جنت و نعمت بھی عطا کی گئی ہے
بخدا اگر محمد ﷺ و آل محمدؐ پر جان بھی وار دوں تو کم ہے
آپ ﷺ علم کے شہر اور ساقیِ کوثر ہیں
باب علم کا نگہبان تو حیدرؓ ہے
بخدا اگر محمد ﷺ و آل محمدؐ پر جان بھی وار دوں تو کم ہے
خاتم النبیّن ﷺ کے بغیر دین کامل ہی نہیں
جس کی نگہبانی کے لیے حسینؓ کی خدمت شامل ہے
بخدا اگر محمد ﷺ و آل محمدؐ پر جان بھی وار دوں تو کم ہے
عزت و ناموس کی علامت ثانیِ زہرا
بخدا اگر محمد ﷺ و آل محمدؐ پر جان بھی وار دوں تو کم ہے

ط(iii) عارفانہ شاعری

پیر غلام النصیر چلاسی المعروف بابا چلاسی کے مذہبی شاعری کے دو مجموعوں کا قبل ازیں ذکر ہوا۔ پیر غلام النصیر چلاسی کے عارفانہ کلام کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔ کلام کا یہ نمونہ اُن کی کتاب ''جواہر چلاسی'' سے لیا گیا ہے۔ کلام کا اردو ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیا

فرمایا۔(۳۱)

شنا کلام

صدق گی مسلمان بو کافر نہ بو
تو ایمان ذ کامل بو قاصر نہ بو

اردو ترجمہ

صدقِ دل سے مسلمان بن کافر نہ بن
تو ایمان میں کامل بن قاصر نہ بن

جہاں آخری ژارے فت بونی ہیں
عبادت گی اللہ ڑے الجونی ہیں

اے برادران یہ دنیا آخر رہ جانی ہے
عبادت سے ہی اللہ مل سکتا ہے

نجاتئے سبب تھئے محبت ہنی
محبت خُدا سئے عبادت ہنی

اللہ سے محبت ہی نجات کا سبب ہے
خُدا سے محبت ہی عبادت ہے

تو کھم کھم تھے آخری مری بونو ہوں
تو آخرت دنچپانِ بوے رونو ہوں

سودوزیاں کے دھندے میں رہ رہ کر تم نے مرنا ہے
اور آخرت میں پشیمانی کے کارن تو نے رونا ہے

تھئے آخرت دَگے رونی بیچا ہنی
انے روا اگر عقلئے دعوا ہنی

ہاں! آخرت ہی کے دن رونا تو بے جا ہے
اگر عقل کا دعوے دار ہو تو اس دُنیا میں رو

ط (iv) مرثیہ

"تھئ علمدار" (سینہ زنی حضرت عباسؓ) کے عنوان سے یہ مرثیہ محبت علی قیصر کی کتاب "بیاض غم" سے پیش کیا جارہا ہے۔ محبت علی قیصر کے اس مرثیے کا اردو ترجمہ ہمیں شیر باز علی خان برچہ نے مہیا فرمایا۔ ترجمہ یوں ہے: (۳۱)

سکینہ پوچھتے پوچھتے روتی ہے
تمھارا علمدار کہاں محو خواب ہے
مجھ سے مشک لے کر گیا تھا
پانی لانے ، تمہارا علمدار
علقمہ کے کنارے علمدار کیسے سوگیا
یہ کہتے کہ سکینہ تین دن سے پیاسی ہے
وہ میری پشت کی طاقت تھا، میری مجلس کی شمع تھا
اُٹھ اے علمدار، علم ہاتھ میں اُٹھا اور چلتے ہیں خیمے کی طرف
دونوں بازوؤں پر بوسہ دینے کی تمنا تھی لیکن وہ تو کٹ گئے ہیں
میری آخری تمنا ہے کہ میں تمھیں بھائی کہہ کر پکاروں
آنکھیں کھول اور باتیں کر، میں تجھ پر واری جاؤں
تمھارے بعد تو یہ دنیا میرے لیے تاریک ہوگی
اس دنیا میں تمھارا تذکرہ وفا کا استعارہ ہے

ط (v) نظم

مختلف موضوعات پر شنا کے شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں۔ اخلاقی اور دینی موضوعات

پر نظمیں زیادہ ہیں۔ محمد رضا کی ایک طویل نظم کے کچھ اشعار (اردو ترجمہ) پیش ہیں: (۳۳)

گنہگار تو ہوں بوصفت رس خدائی مچار نے تھے نیرجہ دنیائی بلائی

ترجمہ: اے گناہ گار شخص! اُٹھ خدا کی تعریف کر۔ دنیا کی بلاؤں میں مبتلا ہو کر خوابِ غفلت کی نیند نہ سویا نہ کر۔

تیرا نفس اور شیطان تیرے لیے جال بن رہے ہیں۔ تو اپنے آپ کو دوزخ کے غذاب سے مطلع کر۔

غفلت نہ کر تیری عمر کی دیوار کا سنگ بنیاد گرنے والا ہے۔

عروسِ جہاں میں وفاداری کہاں ملے گی۔

جوانی! موسم بہار میں پھول کھلتے ہیں۔ بڑھاپے کی خزاں میں پتّے جھڑتے ہیں۔ ہر سال تیری عمر کے مہینے اور دن کم ہوتے جا رہے ہیں اور سورج غروب ہوتے وقت ڈھلتا جاتا ہے۔ بالآخر سورج مغرب میں جا کر ڈوب جاتا ہے اور جاں خاکی گھر کی طرف سفر کرتی ہے۔

تو رات بھر مست ہو کر سویا نہ کر، کیا تو دیکھتا نہیں کہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا خدا تیری طرف دیکھ رہا ہے۔

شنا کے ایک بلند پایہ شاعر خلیفہ رحمت ملنگ جان کے اشعار میں فکری اور اخلاقی عناصر بھی نمایاں ہیں۔ چند اشعار کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے: (۳۴)

ترجمہ: زندگی کے نشیب و فراز کا سلسلہ تو ازل سے چلا آتا ہے

ہم دور دراز کی قیاس آرائیاں کرتے ہیں

دراصل اچھائی یا برائی آدمی کی اپنی پیدا کردہ ہوتی ہے

ہم دنیا میں محنت مشقت کر کے دولت جمع کر لیتے ہیں

مگر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ

ادھر ہم نے دولت اکٹھی کر لی ادھر موت نے آن گھیرا

حالت نزع میں ہم گڑگڑا کر، اے خدا!
تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں کچھ مہلت ملے،
لیکن موت کا وقت معین ہوتا ہے
اس لیے اپنے تمام گناہوں کے ساتھ شرمندہ
تیرے حضور بالآخر پیش ہونا پڑتا ہے

ط(vi) رباعی

محمد امین ضیا کے کلام میں سے ایک رباعی کا اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ یہ ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیا کیا۔

اے میرے آفتاب تُرت اپنی جھلک دکھا
اپنے رُخِ تاباں سے مجھ کو میری خطاؤں سمیت خاکستر کر
تمھیں دیکھنے سے پہلے ہی حوریں آنکھوں کے نور سے محروم ہوں گی
کیونکہ عرش میں تمھارے حسن کا جوار بھاتا ہے

ط(vii) ملّی ترانے

پاکستان بھارت کی جنگ کے دوران شنا کے شاعروں نے بھی ترانے لکھے۔ فضل الرحمٰن عالمگیر کے ایک ترانے ''سونی وطن گلیت'' کو شنا کا پہلا ترانہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے،

رچھالو پاکستانئ — اوتھالی شانئ مجاہد
پشرے جوہر ایمانی — آلون رفت تھئ امتحانئ

ترانے کا اردو ترجمہ یوں ہے: (۳۳)

پاکستان کی حفاظت کرنے والے مجاہد!
تیری کتنی اونچی شان ہے اپنے ایمان کا جوہر دکھادے
تیرے امتحان کا وقت آ گیا ہے

نعرہ تکبیر لگاتے ہوئے ہر ایک قدم آگے بڑھاتے چلو

دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے، ظالموں کے نام ونشان مٹاتے ہوئے

تو اقبال کا شاہین ہے، تیری زد میں آسمان وزمین ہیں

تیرے ہاتھوں میں فتح مبین ہے، تو دینِ اسلام کا امین ہے

غزا کرنا مومن کی عادت میں داخل ہے

جہاد کی تجھے اجازت دی جاتی ہے۔ یہ سب سے افضل عبادت ہے

قدم آگے بڑھا کہ وہاں تیرے لیے جنت ہے

ہر دل میں تیری عزت ہے ہر زبان میں تیری تعریف ہے

کیسی خوبصورت تیری صورت ہے اور کیسی پیاری تیری عادت ہے

ہر ایک مجلس میں تیرا قصہ بیان ہوگا ہر تعریف میں تیرا حصہ ہوگا

بالآخر عجب تیرا دبدبہ ہوگا تو تا قیامت زندہ رہے گا

اکبر حسین اکبر نے بھی ترانے لکھے ہیں۔ اُن کے ایک ترانے کا ایک بند اردو ترجے میں پیش ہے۔ (۳۳)

تجھ پہ میری جان و مال قربان ہو

قوم کے نر بہادر

تو آگے ہی بڑھتا جاتا ہے اور منہ موڑنا سیکھا ہی نہیں ہے

تیری نظر آگے ہی ہوتی ہے

اور تجھے گھر بار تک کا ہوش نہیں رہتا

اور اسلام کے لیے اپنی جان کی بازی لگاتا ہے

۱۹۶۵ء کی جنگ تیرے اس جذبے کی ایک زندہ مثال ہے

اے میرے شیر نر جوان

امین ضیا کا ترانہ ''قومی گیت'' (مئی وطن) یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ترانہ مجموعہ ''سان'' مرتبہ امین ضیا و شائع شدہ ضیا پبلیکیشنز پولو گراؤنڈ گلگت سے لیا گیا ہے اور اس کا اردو ترجمہ شیر باز علی خان برچہ نے مہیا فرمایا۔ ترانے کا ترجمہ اس طرح ہے: (۳۱)

میرا وطن، میرا وطن، میرا سنہرا وطن
ہم تمھارے بلبل ہیں اور تو ہمارا چمن
تُو رنگ برنگے پھولوں کی سرزمین ہے
کائنات میں تُو بہشت بریں ہے

تیرے اُونچے آبشار نشانِ عظمت ہیں
تیرے غیور فرزندوں کے حوصلے جوان ہیں

اپنی زمیں سے ہم پُھول اگائیں گے
پہاڑ و بیاباں کو گُل و گلزار بنائیں گے

شہیدوں کا لہو اور محنت کشوں کا پسینہ
ان عناصر سے ہم وطن کا چراغ روشن کریں گے
اب ہمارے قدم منزل پر ہیں
پوری کائنات میں چاند تارے کا علم لہرائیں گے

ط (viii) غزل اور عشقیہ شاعری

شنا کے جدید شاعروں نے غزل کی صنف میں خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ جدید شاعروں نے عشقیہ شاعری میں ماحول کی مناسبت سے تشبیہات تخلیق کی ہیں اور ان میں بڑی ندرت پائی

جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے احساسات اور جذبات کو بڑی خوب صورتی سے شعروں میں ڈھالا ہے۔ عبداللہ (حراموش) کے اشعار دیکھیے جس میں اس نے محبوبہ کے رخصت ہونے کا نقشہ کھینچا ہے۔ (۳۳)

ترجمہ: وہ حد نظر تک محبوبہ کو دیکھ لیتا ہے پھر اس کو محبوبہ کا نظر سے غائب ہونا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ پندرھویں کے چاند کا غروب ہونا۔

اس کی دنیائے دل پر اس طرح اندھیرا چھا جاتا ہے جس طرح چاند چھپ جانے کے بعد دنیا پر تاریکی چھا جاتی ہے اور محبوبہ کا جانا ایسا نظر آتا ہے جیسا کہ رام چکور کا کسی دور گلیشیئر کی طرف پرواز کرنا۔

جدید شعرا میں سے ماسٹر غلام نبی وفا نے محبت کا اظہار عورت کی زبان سے کیا ہے۔ شنا شاعری میں عورت اور مرد دونوں کی جانب سے اظہار محبت کیا جاتا ہے۔ غلام نبی وفا کے اشعار کا ترجمہ اس طرح ہے: (۳۳)

اے میرے محبوب تجھے میں نے اپنے سر کے بالوں کا تحفہ دیا
تیری جدائی میں مجھے دن برس نظر آتا ہے
اے میرے نیلے طوطے تو اڑتے اڑتے اپنی محبوبہ کی خبر لینے کیوں نہیں آیا
میں نے تیرے لیے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کی ہیں پھر بھی میں تجھے دیکھ نہ سکی
اے میرے محبوب مجھے تجھ سے یہ شکوہ ہے، لیکن پھر بھی میں تجھے بھول نہ سکی
اور سُرخ گلاب کو میں اپنی ٹوپی میں لگا کر پہن نہ سکی۔

ترجمہ: دنیا کا غم تو میرے دل میں جمع ہے دنیا سے تو کوئی طمع نہ رکھ
تو نے میری خبر تک نہ لی کہ آیا تیری محبوبہ دنیا میں ہے یا زندان میں
دنیا میں ہر طرف اجالا ہے لیکن اک تیری محبوبہ غم کے اندھیروں میں ہے

بہار کا موسم ہے اور باغ میں کئی قسم کے پھول کھل چکے ہیں۔ میں تجھے ان
پھولوں میں تلاش کرتی پھرتی ہوں لیکن میرا محبوب پھول مجھے نہیں ملتا

خلیفہ رحمت ملنگ جان اپنے محبوب کا اپنے اشعار میں یوں اظہار کرتے ہیں: (۳۳)

ترجمہ: تیرے ہاتھ مرمریں ہیں تو تیری گردن خراد کی سی
چہرے کا رنگ گلاب (گلاب) کا سا ہے
تو تیرا دل عرق شراب کی طرح سرخ فام ہے
جب تو ایک رنگ کا لباس پہن کر
پھولوں کے سامنے آ نکلتی ہے تو میری جان بدن میں نہیں رہتی
یہ تو ویسے بھی ہمیشہ یورمس کے ساتھ رہتی ہے۔
یوں تو کہنے کو میں کاغذ پر کچھ لکھ رہا ہوں
لیکن میرے خیال کا محور تو یورمس ہے
فلکِ ناہنجار ملنگ سے حسد کر رہا ہے
اور ستم ڈھا رہا ہے
حصول مقصد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی
شاید قسمت میں لکھا ہی نہیں
دنیا کی بے وفائی پر رونا آتا ہے
میری عمر یونہی حسرت میں گزر رہی ہے

محمد امین ضیاء کی غزل کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے: (۳۴)

بادی النظر میں زندہ ہوں اور شہر میں پھرتا رہتا ہوں لیکن مجھے اپنی جان کی بھی خبر نہیں۔
مجھے ڈاکٹری علاج پر اعتبار نہیں ہے۔ میری دوا تو میری محبوبہ کی چادر کے پلّو میں
بندھی ہوئی ہے۔

عبدالخالق تاج کی ایک غزل کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

تم مجھے پاگل سمجھو یا دیوانہ، میں وہی ہوں جو تمھاری محبت کے نشے میں مست تمھاری گلی میں اکثر آیا کرتا ہوں۔

تم مجھے اپنا سمجھو یا بیگانہ میں فریادی بن کر تمھارے دروازے پر آیا ہوں کیونکہ تمھارے ظلم کا نشانہ ہوا ہوں۔

عبدالخالق تاج کی ایک اور غزل کے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

اس دنیا میں اچھے بُرے کی کوئی تمیز نہیں۔ بازار میں جست اور چاندی کی قیمت ایک ہے۔

اس دنیا کے دریا میں بھاری چیز پانی میں تیرتی ہے اور ہلکی پھلکی چیز پانی میں ڈوب جاتی ہے (یعنی نااہل کامیاب و کامران ہیں اور اہل کی کوئی قدر نہیں)

گوہر علی گوہر کے کلام کا نمونہ پیش ہے:

ترجمہ:

اے میری محبوبہ تیری زندگی کے سرسبز و شاداب باغ میں بہار آئی۔ اس میں میرا وجود ایک ایسے گلاب کی مانند ہے جو مرجھایا ہوا ہے۔ اب اس گلاب کے پت جھڑ کا وقت آ گیا ہے صرف تیز ہوا کا انتظار ہے۔

یہ گلاب زیادہ سے زیادہ خزاں کی آمد تک تیرے چمن کے پھولوں کی قطار میں رہے گا اس لیے کیوں تم نے اس کو اکھاڑ کر پھینکنے کا ارادہ کیا ہے۔

یہ وہی گناہ گار بدقسمت ہے جو تمھاری زندگی کے باغ میں سب سے پہلے کھلا تھا۔

جان علی کی غزل کے دو اشعار نمونے کے طور پر درج ہیں۔

ترجمہ:

اے محبوب کیا ہم اسی طرح ایک دوسرے سے جدا رہیں گے اور ملے بغیر زندگی

گزاریں گے۔

ہر جدائی کے بعد ملنا فطری عمل ہے، ہم بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل سکتے ہیں۔

اے محبوبہ تیری صورت ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ تیری یاد میرے دل میں ہر وقت بسی رہتی ہے۔ خواب کی صورت میں ہو یا جاگا ہوا ہوں ہر وقت تمھاری صورت میری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔

(ی) شاعری سے متعلق تصنیفات

☆ ''جواہر چلاسی'' کے نام سے پیر غلام النصیر المعروف بابا چلاسی نے اپنا شنا صوفیانہ کلام ۶۲-۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں بابا چلاسی نے اپنے وضع کیے ہوئے شنا حروف تہجی کے تحت اردو رسم الخط میں اپنا صوفیانہ کلام لکھا ہے۔ یہ کتاب شنا کی پہلی منظوم کتاب قرار دی جاسکتی ہے۔

پیر غلام النصیر نے شنا کے علاوہ عربی، فارسی، پشتو اور اردو پانچ زبانوں میں نہ صرف شاعری کی ہے بلکہ کتابیں بھی منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

☆ زادِ سفر: بابا چلاسی کی شنا شاعری کی دوسری کتاب ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران شائع ہوئی۔ اس میں پیر صاحب نے شنا کے مخصوص آوازوں پر مبنی حروف از خود وضع کر کے انھیں استعمال کیا ہے۔

☆ گلزار ملنگ جان: شنا کے مشہور شاعر خلیفہ رحمت ملنگ جان کے فارسی اور شنا کلام پر مشتمل کتاب ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب تین حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے دو حصے ''ندائے ملنگ جان'' کے نام سے فارسی کلام پر مشتمل ہیں جبکہ تیسرا حصّہ ''یورمس ملنگ جان'' کے نام سے چند شنا اشعار پر مشتمل ہے۔ شنا کے بیشتر اشعار دو مختلف بحروں میں لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اردو رسم الخط استعمال کیا گیا ہے اور شنا کی مخصوص اصوات کی ادائیگی کے لیے اردو کے قریب ترین اصوات سے استفادہ کیا گیا

ہے۔ ملنگ جان کے شنا عشقیہ اشعار کا محور اس کی محبوبہ یورمس ہے۔

☆ سان: محمد امین ضیا نے ۱۹۷۴ء میں ''سان'' کے نام سے اپنا شنا کلام اپنے وضع کردہ اضافی شنا حروف کے تحت اردو رسم الخط میں شائع کیا۔

☆ گلزار اہل بیت: فضل علی (بگروٹ) نے شنا میں ائمہ کرام کی مدح اور محمد ﷺ و آل محمدؑ کے فضائل اور مصائب کے متعلق منظوم کلام پر مشتمل کتاب شائع کی۔

☆ رچھالی مثالو: شنا کے مشہور شاعر گوہر علی گوہر نے اپنا شنا کلام ''رچھالی مثالو'' یعنی صدائے نگہبان کے نام سے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

☆ محبت علی قیصر (بارگو) نے مرثیوں اور نوحوں پر مشتمل بعض لوگوں کا شنا منظوم کلام جمع کر کے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

☆ شنا زبان و ادب کے عنوان سے عبدالخالق تاج کی مرتب کردہ کتاب ۱۹۹۹ء میں اکادمی ادبیات۔ اسلام آباد نے شائع کی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں عبدالخالق تاج نے تاریخ گلگت، شنا زبان اور دیگر موضوعات پر مختلف لوگوں کے مضامین مرتب کیے ہیں، دوسرے حصے میں رحمت جان ملنگ، جان علی، فضل الرحمٰن عالمگیر، محمد امین ضیا، جمشید خان دکھی، عبدالخالق تاج، نظیم دیا، حبیب الرحمٰن مشتاق، خوشی محمد طارق، اختر حسین بے تاب، ظفر وقار تاج ظفر، حور شاہ حر، غلام عباس نسیم کی غزلیں شامل کی ہیں۔

☆ شیر باز علی خان برچہ نے ۱۹۸۹ء میں ''تذکرہ اہلِ قلم و شعرائے گلگت'' کے نام سے کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں انھوں نے شنا شعرا کا تعارف اور نمونہ کلام بھی شامل کیا ہے۔

(ک) شنا کا نثری لوک ادب

نثری لوک ادب کے اہم اجزا یہ ہیں: لوک داستانیں، لوک کہانیاں، لوک رومان،

تلمیحات، ضرب الامثال اور محاورات۔ شنا کا نثری لوک ادب بھی انھیں اہم اجزا پر مشتمل ہے۔

لوک داستانیں اور لوک کہانیاں ہر دور میں موجود رہی ہیں۔ اس لیے ان میں ہر دور کا تھوڑا سا رنگ شامل ہو جاتا ہے، اس میں فطرت کا حسن بھی ہے اور انسان کی بے لوث سادگی، پُر خلوص محبت اور زندہ رہنے کے لیے جدوجہد بھی ہے۔

لوک کہانی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مقامی رنگ ملتا ہے۔ ہر سرزمین کی لوک کہانی کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ اپنا رنگ اور تاثر ہوتا ہے اس لیے کسی ملک، کسی قوم اور کسی قبیلے کی تصویر اس کی لوک کہانی میں ملتی ہے۔ ایسی کہانیاں جو دوسری زبانوں میں سے ترجمہ کر کے اپنے ادب میں شامل کی جاتی ہیں، ان میں وہ رچاؤ، گہرائی اور اپنایت موجود نہیں ہوتی اور نہ ہی وہاں کی زندگی کا عکس رکھتی ہیں۔

شنا زبان نثری لوک ادب کا ایک بہت بڑا ذخیرہ رکھتی ہے۔ شنا کے علاقے میں بدھ مذہب سے پہلے مظاہر فطرت، دیگر اجسام اور غیر مرّی تصورات کی پرستش کی جاتی تھی۔ مذہبی عقائد گہرے نہیں تھے جس کے نتیجے میں بعض اشیا سے خوف محسوس کیا جاتا تھا اور اس خوف کے نتیجے میں دیومالائی اور مافوق الفطرت داستانیں اور کہانیاں جنم لیتی تھیں۔ آج کے دور کا کوئی پڑھا لکھا فرد ان کہانیوں کے مافوق الفطرت عناصر کو قبول نہیں کرے گا لیکن ہم اس پر اعتراض نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ لوک ادب ہے اور یہ لوگوں کی تخلیق ہے۔ شنا کے دیامر اور استور کے علاقے میں ان کہانیوں اور داستانوں کی بہتات ہے۔

شنا زبان کے لوک ادب میں دیومالائی داستانیں اور دیومالائی کردار بھی موجود ہیں اور مافوق الفطرت لوک کہانیاں اور قصے بھی اور ہر دور میں نکھری ہوئی زندگی کی حقیقتوں کے مظہر اور اپنی تہذیب و معاشرت کے عکاس قصے بھی ہیں۔

شنا کے نثری لوک ادب میں شری بدت کا کردار پہلودار ہے۔ ایک طرف تو اس میں تمام انسانی اوصاف موجود ہیں اور دوسری طرف وہ شر کا مجسمہ اور ہر بدی کا پیکر ہے اور سب سے

بڑھ کر یہ کہ اس میں مافوق الفطرت صلاحیتیں موجود ہیں۔ ایسے مافوق الفطرت قصّے موجود ہیں کہ راجا واپس گلگت آرہا ہے اور راستے میں اس کا پچھنی یا دیو سے پالا پڑ جاتا ہے۔ راجا جان بچاتے ہوئے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا پہاڑ کی ٹگر پر پہنچ جاتا ہے، پچھنی یا دیو تعاقب میں ہے، ٹگر کے آگے گہری کھائی ہے، کوئی مفر نہ پاکر راجا گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے اور گھوڑا اڑتا ہوا کھائی کو پار کرتا ہوا دوسرے پہاڑ پر پہنچ جاتا ہے۔ گھوڑا جہاں اڑتا ہوا آ کر چٹان پر قدم جماتا ہے۔ اس کے سموں کا نشان یادگار ہو جاتا ہے۔

شنا کی لوک کہانیوں میں شکار کی کہانیاں بکثرت ہیں۔ ایسی کہانیاں بھی ہیں کہ شکاری شکار کے لیے نکلتا ہے، واپس نہیں آسکتا، کسی غار میں آگ جلا کر بیٹھتا ہے کہ رُنی (چڑیل) آجاتی ہے، شکاری مختلف طریقوں سے اس پر قابو پالیتا ہے اور مدتوں اس سے خدمت لیتا ہے۔

رُنی کے علاوہ پریوں کے بارے میں بھی لوک کہانیاں ہیں، مثلاً کوئی فرد کسی پری کو قابو میں لے آتا ہے، اس سے شادی کرتا ہے، مدتوں گزرنے کے بعد پری کو موقع ملتا ہے تو وہ اس شخص سمیت اپنی اولاد کو پرستان لے جاتی ہے۔

گور (دیامر) کے قریب ہپر نگ کور سے متعلق داستانیں...... ہپر نگ کور کی چوٹی سے معمر لوگوں کو کھائی میں پھینک دیا جاتا تھا، مختلف پہاڑوں کی چوٹیوں پر موجود جسم نما چٹانوں سے متعلق داستانیں۔ بعض داستانیں ایک جیسی ہیں لیکن کردار، ماحول اور واقعات قدرے مختلف ہیں مثلاً منیر اور شیر کی کہانی اور تتہ پانی (رائے کوٹ) کی پشت پر موجود پہاڑ سے متعلق کہانی ''رڑاگاسس''۔ اسی طرح بچہ خور کی کہانی اور شری بدت کی داستان معمولی ردوبدل کے ماسوا ایک ہی ہے۔ ہم چند کہانیاں یہاں درج کر رہے ہیں۔

شنا زبان محاورات اور ضرب الامثال کا بھی بڑا ذخیرہ رکھتی ہے اور یہ ضرب الامثال روزمرہ زندگی میں برتی جاتی ہیں۔ ضرب الامثال اور محاورات کا نمونہ بھی مابعد کے صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ک (i) شنا کی لوک داستانیں

سُو ملک اور تُلی فر (۳۴)

سُو ملک نامی ایک بہادر اور عقل مند راجا گلگت پر حکومت کرتا تھا۔ راجا کی ایک بہن تھی جو ذہین اور خوب صورت تھی۔ کئی راجے اس سے شادی کے خواہش مند تھے۔ ریاست یاسین کے راجا فرمائش خان نے رشتہ مانگا تو سُو ملک انکار نہ کر سکا کیونکہ فرمائش خان بھی بہت طاقت ور راجا تھا۔

اُس زمانے میں کئی ریاستوں کے حکمران بدخشاں کی حکومت کے باج گزار تھے۔ کوئی راجا وقت پر سالانہ خراج ادا نہ کرتا تو منگول سپاہ اس ریاست پر چڑھائی کر کے زبردست تباہی پھیلاتی۔ اتفاق سے یاسین کا راجا بھی بدخشاں کے منگولوں کا باج گزار تھا۔ وہ ایک سال خراج نہ ادا کر سکا تو منگولوں نے یاسین پر حملے کے لیے اشکومن کی طرف سے داخل ہونا اختیار کیا۔ راجا فرمائش خان کو منگولوں کے حملے کا علم ہوا تو اس نے سُو ملک سے مدد مانگی۔ سُو ملک بہنوئی کی مدد کے لیے تیزی سے سفر کرتا ہوا یاسین پہنچ گیا۔ جس دن سو ملک یاسین پہنچا اُسی دن منگول دریا کے پار یاسین پہنچ گئے۔

سُو ملک کی فوج بغیر رکے یاسین پہنچی تھی اس لیے وہ بہت تھکی ہوئی تھی اس لیے منگول سپہ سالار کو لڑائی ایک دن کے لیے ملتوی کرنے کا پیغام بھیجا گیا۔ سپہ سالار نے اسے قبول کرتے ہوئے انفرادی طاقت آزمائی کی اجازت دے دی۔

سپہ سالار نے اپنے ایک طاقت ور شخص کو مہارت ثابت کرنے کے لیے کہا۔ اُس نے ایک بکرا ایک ہاتھ میں اٹھایا اور پوری قوت سے گھماتے ہوئے دریا کی دوسری طرف پھینک دیا جو سو ملک کے قریب زمین پر آ کر گرا۔ سو ملک نے جواب دینے کے لیے بڑا سا درخت جڑ سے اکھاڑ کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھماتے ہوئے منگولوں کی طرف پھینک دیا جو ان کے درمیان آ کر گرا۔ درخت کے نیچے کئی منگول دب کر مر گئے۔ سو ملک کی طاقت دیکھ کر منگولوں نے راتوں رات

واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ دن کے وقت میدان خالی تھا۔ سو ملک نے اپنے لشکر کو منگولوں کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ سو ملک نے انھیں درکت میں گھیر لیا۔ لڑائی ہوئی۔ سو ملک بد قسمتی سے گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ اس کی فوج نے گھوڑے پر راجا کو نہ پایا، ہمت ہار کر گلگت کی طرف بھاگ گئی۔

منگول راجا سو ملک کو گرفتار کر کے بدخشاں لے گئے اور اسے شاہی محل کے مطبخ کے لیے لکڑیاں لانے کی ذمہ داری سونپی۔

ایک دن سو ملک نے کہا کہ وہ تلی فر (خچر اور گھوڑی کی نسل سے گھوڑا جو بہت تیز رفتار ہوتا ہے) کو شناخت کرتا ہے۔ بادشاہ تاج مغل تک بات پہنچی۔ اس نے شاہی اصطبل کے تمام گھوڑوں میں سے شناخت کرنے کے لیے کہا۔ سو ملک نے ایک کمزور اور گندے سے گھوڑے کی نشان دہی کی۔ اس کے بعد سو ملک نے ذمہ داری ہوگئی کہ وہ تلی فر کی تربیت کرے اور اسے بادشاہوں کے لائق تیار کرے۔

سو ملک نے چند ہی دنوں میں تلی فر کو طاقت ور بنا دیا۔ تلی فر کی تربیت مکمل ہوگئی تو منگول سردار نے ایک روز تلی فر کی کارکردگی دیکھنے کی خواہش کی۔ اس دوران میں سو ملک قید سے فرار کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ وہ تلی فر پر سوار ہوا اور منگول سردار سے کہا کہ اُن لوگوں نے ایک راجا کے ساتھ مناسب سلوک نہیں کیا تلی فراب اس کے قبضے میں ہے اور وہ جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر سو ملک نے تلی فر کو سرپٹ دوڑا دیا۔

تاج مغل نے سو ملک کا پیچھا کرنے کے لیے حکم دیا۔ تیز رفتار گھڑ سوار فوج سو ملک کے تعاقب میں نکلی لیکن ان سب کی تیز رفتاری تلی فر کے سامنے بے بس تھی۔ منگول گھڑ سوار سو ملک کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور سو ملک تلی فر پر سوار اپنی بہن کے یہاں یاسین پہنچ گیا۔ فرمائش خان کا خیال تھا کہ سو ملک منگولوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ سو ملک کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے بہت حیرت ہوئی۔

یاسین میں دو چار دن گزارنے پر سو ملک کو معلوم ہوا کہ اس کی عدم موجودگی میں فرمائش خان سو ملک کی بہن پر شدید ظلم کرتا رہا ہے۔ یہ سن کو سو ملک نے طیش میں آ کر فرمائش خان کو مارا پیٹا اور اس کا ایک بازو توڑ دیا۔

سو ملک رات کے وقت بہن سے ملنے کے لیے دروازے پر پہنچا تو اندر فرمائش خان ٹوٹے بازو کی وجہ سے کراہ رہا تھا اور سو ملک کی بہن نے غُصے سے کہا: میرے بھائی کو حق نہیں پہنچتا کہ آپ پر ہاتھ اٹھائے۔ انھوں نے آپ کا بازو توڑا ہے تو خدا کرے ان کا بازو بھی ٹوٹ جائے۔"

سُو ملک بہن کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر بہت ملول ہُوا۔ بہن سے ملے بغیر فوراً گلگت کی طرف روانہ ہوگیا، خود سے کہنے لگا:

"یہ سچ ہے کہ عورت کے لیے سب رشتوں سے بڑھ کر اس کا مرد عزیز ہے، چاہے وہ کتنا ہی بُرا ہو۔ باپ اور بھائی سے زیادہ عورت کے لیے عزیز ہوتا ہے آئندہ فرمائش خان جتنا بھی میری بہن پہ ستم ڈھائے اس کی طرف داری کی تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے۔"

☆☆☆

شیر اور منیر کی کہانی (۳۴)

ضلع دیامر میں غور اور گونر فارم کے آس پاس نانگا پربت کی طرف تراشے ہوئے آدم نما دو پہاڑ شیر اور منیر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں دو بہن بھائی تھے۔ بہن کا نام منیر اور بھائی کا نام شیر تھا۔ دونوں بہن بھائی روزانہ پہاڑ پر بھیڑ بکریاں چرانے لے جاتے تھے۔

ایک دن منیر گرمی کی وجہ سے کسی سایہ دار جگہ پر بیٹھ گئی۔ اس دن وہ بہت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی۔ شیر نے منیر کی طرف غور سے دیکھا تو اُسے بہت خوب صورت لگی اور اس کے

دل سے بھائی کے پاکیزہ رشتے کا خیال ختم ہوگیا۔ وہ سلگتی نظروں سے منیر کو دیکھتا رہا اور پھر بے ہودہ حرکات کرنے لگا۔ منیر نے شیر کی یہ حالت دیکھی تو اس نے بہت منت سماجت کی لیکن شیر اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔

منیر کو یقین ہوگیا کہ شیر آسانی سے جان نہیں چھوڑے گا تو اس نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے شیر کو ایک ڈول دیا جو نیچے سے چھلنی کی طرح سوراخ دار تھا اور بولی کہ اس ڈول میں دریا سے پانی بھر کر لائے تو وہ شیر کی ہر بات مانے گی۔

شیر ڈول لے کر دریا کی طرف چل پڑا۔ منیر بڑی نیک سیرت تھی۔ اس لیے اس صورت حال سے وہ بہت پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر شیر ڈول بھر لایا تو کیا ہوگا۔ اس نے وہاں اپنی ٹوٹی چوڑیوں کی بکھری کرچیاں دیکھیں تو اس پر جنونی کیفیت پیدا ہونے لگی۔ وہ سخت پریشان تھی کہ اگر وہ ڈول بھر لایا تو بھائی بہن کے رشتے کا تقدس ختم ہوجائے گا۔ اُس کی عزت برباد ہوجائے گی۔ اُن کی بدنامی ساری عمر کی ہوگی۔

ادھر شیر نے دوبار غربال نما ڈول میں پانی بھر کر لینے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوا۔ تیسری بار اس نے ڈول کی تہہ میں گاڑھا کیچڑ ڈال دیا جس کی وجہ سے ڈول پانی سے بھر گیا۔ منیر ایسی ہی سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس نے شیر کو ڈول میں پانی لاتے دیکھا۔ شیر کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ شیر سے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی لیکن منیر اللہ کی مدد سے مایوس نہیں تھی۔

منیر نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا مجھے اپنے بھائی کے شر سے محفوظ رکھ۔ شیر جب اس کے اور قریب آیا تو اُس نے ایک بار پھر صدق دل سے یہ دعا کی کہ اے اللہ اس سے پہلے کے بھائی بہن سے منہ کالا کرے دونوں کو پتھر بنا دے۔ قبولیت کا وقت تھا اس کی دُعا اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی اور دونوں پتھر کے بنا دیے گئے۔

منیر اور شیر کی کہانی غور (گوہر آباد) اور چلاس میں بہت مشہور ہے۔ گلگت سے چلاس

جاتے ہوئے ڈھرنگ داس کے مقام پر شاہراہ قراقرم کی بائیں جانب یہ آدم نما چوٹیاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

یچھنی اور دینل کھمیٹو (۳۵)

گلگت کے جنوب مغرب میں پنورہ کے پہاڑ ہیں۔ان میں سے ایک سطح پہاڑ پر ایک عورت کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ یہ مجسمہ قدیم زمانے میں بنایا گیا جو بدھ مت کے ماننے والوں کی تخلیق ہے۔ یہ مجسمہ زمین سے تیس فٹ بلند ہے۔اس مجسمہ کو مقامی لوگ یچھنی کہتے ہیں اور اس سے طرح طرح کے واقعات منسوب کیے گئے ہیں مثلاً یچھنی پرانے زمانے میں زندہ تھی اور دیو کی نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ بہت ظالم اور آدم خور تھی۔ پنورہ کے جنگل میں لوگ لکڑیاں لانے کے لیے جاتے تو دو ہوتے تو ایک کو وہ کھالیتی، چار ہوتے تو دو کو کھالیتی اور دو کو چھوڑ دیتی۔اس آدم خور بلا سے گلگت کے لوگ شدید پریشان تھے اور ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا ترکیب کی جائے تا کہ اس سے نجات مل سکے۔

کہتے ہیں کہ گلگت کا ایک آدمی بگروٹ گیا۔واپس گلگت آ کر اُس نے لوگوں کو بتایا کہ بگروٹ میں ایک کاہن دینل کھمیٹو رہتا ہے جو بہت بڑا عامل ہے۔جن بھوت پریت کو تابع کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ سن کر گلگت کے معززین نے ایک وفد تیار کیا اور دینل کھمیٹو کے پاس گئے۔یچھنی کے ظلم اور آدم خوری کا ذکر کیا اور اس سے مدد مانگی۔

دینل کھمیٹو گلگت کے لوگوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اُن کے ساتھ گلگت آ گیا۔ اس نے اپنا عمل شروع کیا اور لوگوں کو اچھی طرح سے سمجھایا کہ یچھنی کے مرنے کے بعد وہ کہیں بھی جائے اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی لاش لا کر یچھنی کے قدموں میں دفن کی جائے ورنہ وہ کچھ عرصے کے بعد پھر زندہ ہو جائے گی۔لوگوں نے یقین دلایا کہ اس کی نصیحت پر عمل کیا جائے گا۔ کھمیٹو نے لوہے کی میخیں تیار کیں اور منتر پڑھتا ہوا پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔یچھنی

ایک بہت دشوار گزار چٹان پر رہتی تھی۔ اس جگہ پر پہنچنا کسی انسان کے بس میں نہیں تھا۔ کھمیٹو منتر پڑھتا ہوا چٹان پہ لوہے کی میخیں گاڑتا ہوا اس غار کے دہانے تک پہنچ گیا جہاں یچھنی رہتی تھی۔ یچھنی نے غار کے باہر آدم بو محسوس کی اور غار سے باہر نکلی۔ باہر ایک انسان کو کھڑا دیکھ کر اس نے لمبے لمبے سانس لیے۔

دینل کھمیٹو دل میں منتر پڑھ رہا تھا۔ اس نے یچھنی سے پوچھا وہ کیسی ہے! ساتھ ہی اس نے یچھنی کو یہ خبر دی کہ اس کا بھائی کشمیر میں مر گیا ہے۔ یچھنی نے یہ سنا تو صدمے سے اپنا دایاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ دینل کھمیٹو نے فوراً منتر پڑھا اور میخ پر پھونکا۔ اس طرح یچھنی کے سینے پر رکھے ہاتھ کی پشت پر میخ ٹھونک دی۔ یچھنی کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل اور اس کا سینہ اور ایک ہاتھ پتھر کے بن گئے۔ دینل کھمیٹو نے دوبارہ افسوس کرتے ہوئے کہا: بہن یچھنی قسمت میں تمھارے مزید دکھ لکھے ہوئے ہیں۔ تمھارا باپ بھی بلتستان میں مر گیا ہے۔ یہ سن کر یچھنی نے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے دوسرا ہاتھ ران پر مارا۔ دینل کھمیٹو نے فوراً منتر پڑھتے ہوئے وہاں بھی میخ ٹھونک دی۔ میخ لگتے ہی یچھنی کا دوسرا ہاتھ اور ران بھی پتھر کے بن گئے۔ یچھنی اب حرکت کے قابل نہ رہی۔ وہ چیخنے چلانے لگی اور کھمیٹو کی دغا بازی پر شور مچاتی رہی۔ وہ کہنے لگی اب وہ خوراک کیسے حاصل کرے گی اور کیسے کھائے گی۔ کھمیٹو نے کہا کہ وہ پہلے انسانوں کو کھا لیتی تھی اب پتھر اور کنکر اس کے خوراک بنیں گے۔

اب بھی ہوا کی حرکت سے کنکر اور پتھر لڑھکتے ہوئے نیچے آتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ یچھنی کی خوراک آ رہی ہے۔

یچھنی جب بالکل بے بس ہو گئی تو دینل کھمیٹو نے مزید منتروں سے اسے مکمل پتھر کا بنا دیا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے نیچے اتر کر وادی میں آیا۔ گلگت کے لوگوں نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ خوشیاں منائی گئیں۔ کئی دن تک جشن منایا گیا۔ کچھ دن کے بعد دینل کھمیٹو واپس اپنے گاؤں بگروٹ کے لیے روانہ ہوا۔ لوگوں نے اُسے بہت اچھی طرح سے رخصت کیا۔

گلگت کے بعض چالاک لوگوں نے کہا کہ ڈینل کھمیٹو نے کہا تھا کہ وہ کہیں بھی مرے اس کی لاش یچھنی کے قدموں میں دفن کی جائے ورنہ کچھ عرصہ بعد وہ پھر زندہ ہو جائے گی۔ اب ڈینل کہیں چلا جائے اور کہیں مرجائے تو اسے کہاں ڈھونڈتے رہیں گے۔ اس لیے اب وقت ہے کہ اُسے مار کر یچھنی کے قدموں میں دفن کر دیا جائے۔ یہ پروگرام بنا کر چند لوگ ڈینل کھمیٹو کے پیچھے پیچھے گئے اور اسے راستے میں مار کر وہاں لا کر دفن کر دیا۔ اس طرح گلگت والوں نے کھمیٹو کی ہمدردی اور احسان کا بدلہ چکایا۔

☆☆☆

بھبوتن، ناصر آباد (ہنی) کی ایک لوک کہانی (۳۴)

بارہ افراد کی ایک پارٹی گنیش کے اس پار واقع جزیرے میں سونا نکالنے میں مصروف تھی۔ یہ لوگ سونا نکال نکال کر انبار لگا رہے تھے۔ دریائے ہنزہ گلیشیئر کو کاٹ کاٹ کر وافر مقدار میں سونا بہا کر لا رہا تھا۔ سونے کی مقدار زیادہ ملنے لگی تو انھوں نے جزیرے میں ہی رہنے اور کام کرنے کا فیصلہ کیا۔

اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دریا میں سیلابی کیفیت تو پہلے سے ہی تھی اوپر سے طغیانی میں اضافہ ہو گیا اور پانی جزیرے پر بھی چڑھ آیا۔ سونا نکالنے والوں کا راستہ بھی دریا کے تیز بہاؤ کے ساتھ بہہ گیا۔ اب ہر طرف پانی ہی پانی پھیلا ہوا تھا۔ آبادی اور بستی کے کنارے جو دور سے دکھائی دیتے تھے اب وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ راکاپوشی کی چوٹی کبھی کبھی بادلوں کی اوٹ سے جھانک لیتی تھی۔

یہ پارٹی یہاں پھنسی رہی۔ وہ لوگ دعائیں کرتے رہے لیکن کوئی دعا قبول نہ ہوئی۔ پانی کا چڑھاؤ بدستور قائم رہا۔ خورد و نوش کی تمام چیزیں ختم ہو گئیں۔ بھوک نے نڈھال کر دیا۔ زندگی قائم رکھنے کے لیے پیٹ کے ایندھن کا انتظام کرنے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر ان میں سے ایک طاقتور اور ذہین شخص بھبوتن نے تجویز دی کہ دو اشخاص میں کشتی کرائی

جائے جو مات کھا جائے وہ باقی سب کی خوراک بنے۔

سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور کشتیاں ہونے لگیں۔ انسانی گوشت خوراک کے طور پر ملنے لگا۔ یہ سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ بارہ میں سے دس اپنی جان ہار چکے۔ اب جزیرے پر بھبوتن اور ایک اور شخص رہ گئے۔ بھبوتن چونکہ طاقتور اور مضبوط تھا اس لیے اُسے اپنے ساتھی کو زیر کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بھبوتن نے اپنے آخری ساتھی کا گوشت بہت مزے سے کھایا۔

بھبوتن کے پاس اب آخری ساتھی کے گوشت کی مقدار ختم ہو چکی تھی کہ دریائے ہنزہ کا سیلاب اتر گیا۔ جزیرے سے باہر نکلنے کا راستہ بھی مل گیا۔ بھبوتن جزیرے سے نکلا تو اُسے انسانی گوشت کی طلب ہوئی۔ وہ اب انسانی گوشت کا عادی ہو چکا تھا اور بھیڑ بکریوں کا گوشت اب اُسے بالکل پسند نہیں تھا۔

بھبوتن نے حسن آباد کے اس پار پہاڑ پر روشنی دیکھی۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ سورتو گڈریا کا مسکن تھا۔ بھبوتن کو انسانی گوشت کے ملنے کی اُمید پیدا ہوگئی۔ بھبوتن جب پہاڑی پر پہنچا تو اسے مایوسی ہوئی۔ باڑے کا دروازہ بہت تنگ تھا اور وہ اُس میں سے گزر کر اندر نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ اس لیے بھبوتن نے فیصلہ کیا کہ وہ دروازے کے باہر بیٹھا رہے گا اور سورتو جب باہر نکلے گا تو اس کا گوشت کھائے گا۔

سورتو نے دروازے کی درزوں سے جھانک کر دیکھا۔ بھبوتن کا ڈیل ڈول دیکھ کر وہ خوفزدہ سا ہو گیا۔ سورتو خوف زدہ تھا لیکن وہ ذہین آدمی تھا۔ اس نے ایک ترکیب نکالی جس سے بھبوتن کو دھوکا لگے اور وہ دیوار گرا کے باڑے میں داخل نہ ہو۔ سورتو نے یہ ترکیب کی کہ چمڑے کی مشک میں لسی بھری ہوئی تھی، سورتو نے مشک کو چھت سے لٹکا کر رکھ دیا اور اس کے نیچے لکڑی کے تھال میں ایک چمچہ رکھا جس پر مشک کے باریک سے سوراخ سے لسی کے قطرے رس کر گرنے لگے اور تیز آوازیں پیدا کرنے لگے۔ لسی کا قطرہ چمچہ پر گرتا تو سورتو کہتا کھاؤ اور کھاؤ۔ بھبوتن کو یہ مغالطہ لگا کہ اندر کوئی اور شخص بھی ہے۔ وہ انتظار کرتا رہا جبکہ سورتو نے اس دوران میں عقبی دیوار سے جتھ

اکھیڑ کرایک سوراخ بنایااوراس میں سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔

صبح ہونے والی، سورتو بھبوتن سے بچ کر دور نکل گیااور خوشی سے چلانے لگا۔ بھبوتن کو اپنی حماقت کا احساس ہوااور سورتو کے پیچھے دوڑا سورتو اور بھبوتن ایک ساتھ ہی گاؤں میں پہنچے۔ لوگوں نے بھبوتن کو دیکھا تو اس کے پیچھے دوڑے اور اسے ایک کھوکھلے تنے میں گھیر کر آگ لگادی۔اس طرح بھبوتن اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

☆☆☆

ٹھگ کی کہانی (۳۴)

کہتے ہیں کہ کسی گھر میں ایک بچہ پیدا ہوااوراس نے پیدا ہوتے ہی باتیں کرنی شروع کردیں۔ ذرا بڑا ہوا تو اس نے شرارتیں کرنی شروع کردیں۔ اس نے شرارتیں اپنے گھر سے ہی شروع کیں۔ ایک دفعہ اس ٹھگ کا باپ کھیتوں میں ہل چلا رہا تھا۔ ٹھگ دوڑتا ہوا باپ کے پاس گیااور کہا ماں مررہی ہے نیاز خیرات کرو۔ باپ نے بیل ذبح کر کے اسی وقت گوشت لوگوں میں تقسیم کردیا۔ ٹھگ وہاں سے دوڑتا ہوا گیااور ماں سے کہا کہ باپ مر رہا ہے کوئی نیاز خیرات کرو۔ ماں نے گھر میں جو کچھ تھا پکا کر تقسیم کردیا۔

اسی طرح ایک دن ٹھگ پیدل جار ہا تھا کہ راستے میں ایک گھڑ سوار ملا۔ ٹھگ نے گھڑسوار سے کہا کہ وہ بہت تھک گیا ہے اسے کچھ دیر کے لیے گھوڑے پر سوار ہونے دے۔ گھڑ سوار نے رحم کر کے تھوڑی دیر کے لیے اسے سوار ہونے کی اجازت دے دی۔ ٹھگ گھوڑے پر سوار ہوا تو مالک نے ٹھگ سے اس کا نام پوچھا۔ ٹھگ نے اپنا نام ''ہر ہر'' بتایا۔ ٹھگ نے گھوڑے کو دوڑایااور لے بھاگا۔ گھوڑے کا مالک زور زور سے آوازیں دیتا رہا''الہ ژا! ہر ہر'' لوگوں نے گھوڑے کے مالک کی آوازیں سنیں اور کوئی توجہ نہیں دی کیوں کہ شنا میں ''الہ ژا! ہر ہر'' کے معنی ہیں اے بھائی! لے جاؤ۔

ٹھگ گھوڑا دوڑاتا ہوا ایک ندی پر پہنچا۔ ندی کے کنارے ایک بڑھیا اور ایک لڑکی بیٹھی

ہوئی تھیں جو پیدل ندی پار نہیں کرسکتی تھیں۔ بڑھیا نے ٹھگ سے کہا کہ انھیں پار کرادے۔ ٹھگ نے کہا وہ پہلے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کر کے ندی پار کرائے گا پھر بڑھیا کو...... بڑھیا خوش ہوگئی۔ ٹھگ نے لڑکی کو سوار کرایا، بڑھیا نے ٹھگ سے اس کا نام پوچھا۔ ٹھگ نے اپنا نام جمو بتایا۔ (شنا میں جمو کے معنی ہیں۔ داماد) ٹھگ لڑکی کو اپنے ساتھ بٹھا کر بھاگا اور بڑھیا واویلا کرتی رہ گئی۔

بڑھیا نے عدالت میں شکایت درج کروائی۔ گھوڑے کا مالک بھی عدالت میں حاضر ہوا اور شکایت درج کرائی۔ منصف نے گھوڑے کے مالک سے بیان لیا اور پُوچھا ''تمھارا گھوڑا کون لے گیا ہے اور تم نے اُسے کیا کہا تھا؛ گھوڑے کے مالک نے کہا ''ہر ہر''۔ منصف نے کہا، تم نے خود کہا کہ لے جاؤ لے جاؤ تو گھوڑا لے جانے والے کا کیا قصور ہے۔ بڑھیا سے منصف نے پوچھا کہ تمھاری لڑکی کو کون لے گیا ہے تو بڑھیا نے جواب دیا ''جمو''۔ منصف نے کہا جمو کا حق ہے کہ اپنی بیوی کو جہاں چاہے لے جائے۔ اس طرح ٹھگ کے مقابلے میں دونوں مقدمہ ہار گئے۔

ٹھگ لڑکی کو گاؤں میں لے گیا اور اس سے شادی کر لی۔ اب اس نے گھوڑے سے کام لینا شروع کیا لیکن اس کی شرارتیں گاؤں میں بھی جاری رہیں۔ گاؤں والوں نے اس کی شرارتوں سے تنگ آ کر اس کے گھوڑے کو مار دیا۔ ٹھگ نے اس گھوڑے کا چمڑا خشک کرا اپنے ساتھ لیا اور ایک طرف چل پڑا۔ ایک جگہ تین اندھے سوداگر سامان سمیت ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ وہ بدنیتی نہیں کریں گے، کوئی بدنیتی کرے گا تو اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہوگا۔ ٹھگ نے ان کے درمیان خشک چمڑا پھینکا۔ اندھے سوداگر ڈر گئے کہ اللہ کا قہر نازل ہوگیا ہے وہ گرتے پڑتے بھاگے۔ سوداگروں کے چلے جانے کے بعد ٹھگ نے سارا سامان اکٹھا کیا اور گاؤں لے آیا۔

گاؤں والوں نے ٹھگ کو اتنا سامان لاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ وہ اتنا سامان کہاں سے لے آیا۔ ٹھگ نے کہا آج دریا بہت سا مال بہا کر لے آیا ہے یہ سامان وہیں سے لے کر آیا ہے۔ لوگوں نے منت سماجت کی کہ انھیں بھی وہ جگہ دکھائی جائے جہاں دریا سامان بہا کر لایا ہے۔

لوگوں کے کہنے پر ٹھگ بہت سے جوان اوران کا مال مویشی لے کر دریا کے پُل پر پہنچا۔ پُل پر سے مال مویشی گزر رہے تھے اور اُن کا عکس پانی پر پڑ رہا تھا۔ اُس نے جوانوں سے کہا، نیچے دیکھو کتنی خوب صورت بھینسیں اور گھوڑے دریا میں بہ رہے ہیں، جلد کرو ورنہ کوئی اور لے جائے گا۔ ٹھگ کے کہنے پر بہت سے جوانوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں۔ کچھ پُل پر کھڑے انتظار میں تھے۔ دریا میں کودنے والے اب ڈوبنے سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے ٹھگ نے باقی موجود لوگوں سے کہا دیکھو وہ اشارے کر کے تمھیں بلا رہے ہیں۔ ٹھگ کے بہکانے پر باقی موجود جوانوں نے بھی دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور سب کے سب دریا میں ڈوب گئے۔

ٹھگ شام کو واپس گھر آیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ سب کو دریا بُرد کر گیا ہے۔ لوگوں نے غُصے میں اُس کا گھر جلا دیا۔ ٹھگ کی بیوی نے ٹھگ سے کہا کہ لوگوں کے ساتھ شرارتیں نہ کرے ورنہ اب انھوں نے گھر جلایا ہے تو کل ہمیں جان سے بھی مار سکتے ہیں۔ ٹھگ نے کہا، خیر ہے کوئی بات نہیں۔

ٹھگ نے ایک بوری لی۔ اس میں نیچے چند اشرفیاں رکھیں اور اوپر مکان کا جلا ہوا کوئلہ ڈالا اور بوری گدھے پر لاد کر شہر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں ایک امیر بوڑھا اور اس کا لڑکا جا رہے تھے۔ لڑکے نے باپ سے کہا کہ وہ اب تھک گیا ہے۔ امیر بوڑھے نے ٹھگ سے کہا کہ لڑکے کو گدھے پر سوار کرا لو تو مہربانی۔ ٹھگ نے کہا وہ تو ٹھیک ہے لیکن بوری میں اشرفیاں ہیں۔ اگر ان کے اوپر کوئی سوار ہو جائے اور اس کی ہوا خارج ہو جائے تو گندی ہوا سے وہ کوئلہ ہو جائیں گی۔ بوڑھے نے کہا ایسا نہیں ہوگا، اگر تمھارا کوئی نقصان ہوا تو وہ پورا کر دے گا۔ چنانچہ ٹھگ نے لڑکے کو گدھے پر سوار کر لیا۔ جب منزل پر پہنچے تو ٹھگ نے جلدی جلدی بوری کھولی اور کہا کہ وہی ہو گیا جو میں نے کہا تھا۔ بوڑھا آدمی اس پر اعتبار کر کے اسے گھر لے گیا اور کوئلوں کی جگہ اشرفیاں بھر کر دیں۔

ٹھگ اشرفیوں کی بھری بوری لے کر گاؤں آیا تو لوگوں نے پوچھا اتنا مال کہاں سے

لائے ہو۔ اس نے کہا شہر میں کوئلوں کی بہت طلب ہے میں اپنے گھر کے کوئلے بیچ کر لایا ہوں۔ لوگوں نے اپنے گھروں کو آگ لگائی اور کوئلے لے کر شہر گئے تو ٹکا سا جواب ملا۔ واپس آ کر لوگوں نے اس کی بیوی کو مار دیا۔

ٹھگ نے بیوی کی لاش کو نہلا دھلا کر دلھن کی طرح سجایا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر لاش کو آگے رکھ کر چل پڑا۔ راستے میں بادشاہ کی پانچ بیٹیاں مل گئیں۔ انھوں نے ٹھگ سے پوچھا کیا لے جا رہے ہو، اس نے کہا کہ اس کی دلھن ہے۔ انھوں نے کہا دلھن دکھاؤ، وہ بولا گھر پہنچنے سے پہلے اس کی شکل دکھائی تو وہ مر جائے گی۔ انھوں نے اصرار کیا اور کہا اگر وہ مر گئی تو ان میں سے کسی ایک سے شادی کر لینا۔ اس نے دلھن دکھائی اور واویلا کیا جو ڈر تھا وہی ہوا، وہ مر گئی ہے۔ وعدے کے مطابق ایک شہزادی نے اس سے شادی کر لی۔ وہ شہزادی کو لے کر آیا تو پوچھنے پر اس نے بتایا جن کی بیویاں قتل ہو جاتی ہیں بادشاہ ان کو اپنی لڑکی دیتا ہے۔ لوگ اپنی بیویوں کو قتل کر کے بادشاہ کے پاس گئے اور لڑکی مانگی۔ بادشاہ نے ان سب کو قید کر دیا۔ اس کے بعد ٹھگ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگا۔

☆☆☆

ک (ii) شنا کی لوک کہانیاں

ہیپر نگ کور (۳۵)

نانگا پربت (دیامر) کے قریب ہیپر نگ کور نامی پہاڑ ہے۔ پہاڑ کے قریب ''گور'' نامی گاؤں ہے جس کے بارے میں محاورہ ہے کہ گور کے لوگ اپنے بڑے بوڑھوں کو ہیپر نگ کور سے نیچے لڑھکا دیتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقے میں ایک جگہ کے بارے میں بھی ایسی ہی لوک کہانی ہے۔

ہیپر نگ کور سے متعلق لوک کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ ''گور'' کے گاؤں میں لوگوں کی عمریں سو سے ڈیڑھ سو تک تھیں۔ گاؤں کے وسائل کم تھے اس لیے راجا نے سوچا کہ یہ لوگ اتنی

عمروں تک کیوں زندہ رہتے ہیں اور بلا وجہ وسائل پر بوجھ بنے رہتے ہیں۔ راجا سوچتا رہا اور بالآخر اس نے اپنی سوچ کو عملی شکل دے دی اور حکم دے دیا کہ ہر فرد جس کی عمر اسی سال پوری ہو جائے۔ اسے ہپر نگ کور کے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گہری کھائی میں پھینک دیا جائے۔

لوگوں کو راجا کا یہ حکم سخت ناگوار گزرا لیکن وہ بے بس تھے۔ بعض نے اپنے معمر عزیزوں کو چھپانے کی کوشش کی لیکن ایسی بات کب تک چھپ سکتی تھی چنانچہ راجا کے اس فیصلے کے بعد ایک سال میں گور کے آٹھ مردوں کو اور سات معمر عورتوں کو ہپر نگ کور کی چوٹی سے کھائی میں دھکیلا گیا۔ گاؤں کے لوگ پہاڑ کی نصف بلندی تک ڈھول باجوں کے ساتھ معمر شخص کو لے جاتے اور پھر اُس کے رشتہ دار ہی اُسے چوٹی تک لے جاتے۔

مدت کے بعد شنور جان کی بھی راجا کی مقرر کردہ عمر پوری ہوئی تو اُسے بھی ہپر نگ کور کی چوٹی پر لے جایا گیا۔ نادر خان اپنے عزیزوں کے ساتھ اپنی ماں کو وہاں لے گیا۔ نادر کی ماں ہر ایک سے گلے ملی اور پھر چوٹی کی نگر سے کھائی میں کود گئی۔ چالیس سالہ نادر اپنی ماں کی اس طرح کی موت پر شدید مغموم کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ راجا کو کیا حق حاصل ہے کہ لوگوں کی عمروں پر قدغن لگائے۔ نادر کا سترہ سالہ بیٹا محبوب خان بڑے غور سے اپنے باپ کی حالت کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اچانک پورے عزم کے ساتھ باپ سے بولا: تم نے جس طرح اپنی ماں کو مرنے دیا ہے میں تو تمھیں اس طرح ہرگز نہ مرنے دوں گا۔

وقت گزرتا گیا۔ نادر اپنی کمر کے گرد بندھی رسی میں ہر سال ایک گرہ لگاتا گیا آخری گرہ لگانے میں ایک مہینہ رہ گیا تھا کہ ایک رات نادر اور محبوب، دونوں باپ بیٹا خاموشی سے گھر سے نکلے۔ محبوب نے پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا۔ راستے کی شناخت کے لیے جھاڑیوں کے ساتھ سُرخ کپڑے کے ٹکڑے باندھے ہوئے تھے۔ راستہ خاصا دشوار گزار تھا۔ وہ بڑی مشقت اٹھا کر ایک غار میں پہنچے۔ محبوب نے غار میں آگ جلائی۔ نادر نے غار کے اندر رکھی ہوئی چیزوں کو غور سے دیکھا۔ محبوب نے غار کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے بہت محنت کی تھی اور شاید لاتعداد

پھیرے کیے تھے۔

غار میں موجود تمام چیزیں دیکھنے کے بعد نادر بیٹھ گیا تو محبوب نے باپ سے کہا، اگر تم نے غار سے بھاگنے کی کوشش کی یا اپنے آپ کو راجا کے حوالے کرنے کے بارے میں سوچا تو میں تمھارے ساتھ ہپر نگ کور سے کود جاؤں گا۔

دونوں باپ بیٹا کچھ دیر تک وہاں بیٹھے بات چیت کرتے رہے۔ محبوب باپ کو برف میں چھپائی ہوئی چیزوں کے بارے میں بتاتا رہا پھر نادر نے محبوب کو گھر جانے کی اجازت دی تاکہ لو پھٹنے سے پہلے گھر پہنچ جائے، نیز تمام ضروری چیزیں اس کے پاس موجود ہیں اس لیے چند ماہ تک وہ اسے ملنے کے لیے نہ آئے۔

گور میں نادر کی گم شدگی کے بارے میں باتیں ہوئیں۔ عام طور یہی سوچا گیا کہ نادر اپنی عمر پوری ہونے کے خیال سے خود ہی ہپر نگ کور سے کود گیا ہے۔ پھر دن مہینوں میں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے گئے محبوب اپنے باپ کے لیے تمام ضروری چیزیں مہیا کرتا رہا اور گور کے حالات اور گھر کے معاملات باپ کو وقتاً فوقتاً بتاتا رہا۔ مدت تک غار میں رہنے سے نادر اکتا گیا تھا اس لیے وہ رات کو گھومتا ہوا چوٹی پر چلا جاتا۔ محبوب کو اپنے والد کے معمولات کا علم تھا اس لیے دونوں کی چوٹی پر ملاقات ہو جاتی اور دونوں واپس آ کر غار میں بیٹھ جاتے۔

گور کا راجا اب گاؤں کا سب سے معمر فرد تھا۔ اس کی عمر سو سال ہو چکی تھی۔ ایک رات راجا کی طبیعت میں عجیب قسم کی پژمردگی سی پیدا ہوئی۔ وہ محل سے نکل کر سیبوں کے باغ میں گیا۔ پھر وہاں سے نکل کر چلتا گیا۔ کسی لاشعوری کیفیت میں وہ ہپر نگ کور کی طرف چل پڑا۔ چاندنی رات تھی۔ راجا چوٹی سے کچھ دُور تھا کہ اُسے ایک آسان سا راستہ نظر آیا۔ وہ اس راستے پر چل پڑا۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک دو ہموار کھیت نظر آئے جن میں جڑی بُوٹیاں اگائی ہوئی تھیں۔ راجا حیران تھا کہ اس ویرانے میں کس نے یہ جڑی بوٹیاں اگائی ہوئی ہیں اسی دوران میں وہاں راجا اور نادر کی ملاقات ہوگئی۔ نادر نے راجا کو بتایا کہ گور کے لوگوں کو اُس کی ضرورت ہے اس لیے وہ یہاں ٹھہرا

ہوا ہے۔ راجا خاموشی سے نادر کی باتیں سنتا رہا اور پھر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن گور کے بے شمار لوگ راجا کے محل کے سامنے جمع تھے۔ راجا نے پیغام بھیج کر محبوب کو بلوایا۔ راجا نے محبوب سے نادر کے بارے میں صاف صاف بات کرنے کے لیے کہا۔ محبوب نے سچ کہہ دیا اور بولا اس کا باپ بہت عقل مند شخص ہے، گور کے لوگوں کو، ہمیں اور راجا کو اس کی ضرورت ہے۔ راجا نے کہا اگر محبوب کا باپ اتنا عقل مند ہے تو وہ ہمیں ریت کی رسی بنا دے۔

یہ فرمائش کر کے راجا محل میں چلا گیا۔ لوگ گھروں کو چلے گئے۔ محبوب باپ سے ملنے کے لیے غار میں پہنچا۔ نادر نے پوچھا راجا نے کیا پیغام بھیجا ہے۔ محبوب کے پوچھنے پر نادر نے بتایا کہ رات اس کی راجا سے ملاقات ہو چکی ہے۔

محبوب نے باپ کو بتایا کہ راجا نے ریت کی رسی بنا کر دینے کے لیے کہا ہے، نادر نے مسکرا کر کہا راجا سے جا کر کہو کے نادر کہتا ہے کہ راجا جس قسم کی رسی بنانے کے لیے کہہ رہا ہے اس کا نمونہ بھیج دے نادر تیار کر دے گا۔

دوسرے روز گور کے بے شمار لوگ نادر کا جواب سننے کے لیے محل کے باہر کھڑے تھے۔ محبوب آ گیا۔ راجا محل سے باہر نکلا تو محبوب نے ادب سے کہا کہ اس کا باپ کہتا ہے کہ راجا ریت کی جیسی رسی بنوانا چاہتا ہے اس کا نمونہ بھیج دیا جائے، اس نمونے کے مطابق رسی تیار کر دی جائے گی۔ راجا محبوب کا یہ جواب سن کر خاموشی سے محل میں چلا گیا۔

اس دن گور اور اس کے تمام ارد گرد کے علاقے میں منادی کر دی گئی کہ راجا نے تمام بچوں، بڑوں، عورتوں اور مردوں کو دعوت پر بلایا ہے۔ دعوت کا بہت شاندار انتظام تھا۔ لوگوں نے خوب جی بھر کر کھایا اور پیا۔ آدھی رات ہونے والی تھی کہ راجا نے اعلان کیا کہ نادر، محبوب کا قصور معاف اور آئندہ کے لیے عمر کی قید کا فیصلہ منسوخ۔ لوگوں نے فیصلہ سنا، اُن میں عجیب تبدیلی ہوئی انھوں نے آئندہ اس کی کوئی بھی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ راجا نے اپنے بیٹوں کو اپنے

رشتہ داروں کے پاس رہنے کے لیے بھیج دیا اور خود اپنی موت کے وقت کا انتظار کرتا رہا۔

بچہ خور (۳۵)

اس لوک کہانی کے پس منظر میں راجا شری بدت کی بدکاریوں، ظلم و جبر اور انسانی بچوں کا گوشت کھانے کی روایت موجود ہے۔ لوک کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

گلگت کے علاقے کی رعایا اپنے ظالم اور بدکردار راجا کے ہاتھوں سخت اذیت میں مبتلا تھی۔ راجا بے تحاشا گوشت کھاتا تھا۔ اس کے لیے گوشت مہیا کرنے کے لیے اس کے حواری اور خدمت گار لوگوں کے میمنے پکڑ لاتے اور راجا کو کھلاتے۔

مرجان نامی ایک خاتون زچگی کی حالت میں تھی۔ اتفاق سے اس کی بکری بھی ایسی ہی کیفیت میں تھی۔ مرجان کا بچہ مردہ حالت میں پیدا ہوا، بکری نے ایک میمنا دیا لیکن بکری صبح تک زندہ نہ رہ سکی۔ مرجان کو اپنے مردہ بچے کا بہت صدمہ تھا اس نے تو بچے کا نام بھی رکھ دیا تھا، بلبل خان۔۔۔۔ مرجان اس صدمے میں ہی تھی کہ میمنے نے دودھ کے لیے شور و پکار شروع کر دی۔ مرجان پریشان تھی کہ میمنے کے لیے دودھ کیسے حاصل کرے۔ اُسے کچھ سمجھ نہ آئی، میمنا شور کر رہا تھا مرجان کی چھاتیوں میں دودھ اُترا ہوا تھا، مرجان نے میمنے کو اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا۔

مرجان کے دودھ پر پلتا ہوا میمنا اب بڑا ہو گیا تھا۔ ایک دن راجا کے خدمت گار آئے اور مرجان کے میمنے کو پکڑ کر لے گئے۔ اس رات راجا کے دستر خوان پر بُھونا ہوا گوشت بہت لذیذ تھا۔ اس قدر لذیذ گوشت کے بارے میں راجا نے استفسار کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ میمنا ایک عورت کے دودھ پر پلا تھا۔ راجا نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ انسانی دودھ پر پلنے والا گوشت سب سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ چنانچہ راجا کے خدمت گاروں نے معصوم بچوں کو پکڑ کر لانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ راجا اُن معصوم بچوں کے گوشت سے اپنا شوق پورا کرتا رہا۔

بچوں کی گم شدگی سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ مائیں اب بچوں کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتی تھیں۔ اسی دوران میں مرجان کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ مرجان نے اس کا نام بلبل

خان ہی رکھا۔ بلبل خان کی پیدائش سے مرجان کی روح کے زخم مندمل ہونے لگے۔ بلبل خان تین سال کا ہوگیا۔

ایک رات مرجان اپنے بیٹے بلبل خان کو سینے سے لگا کر سوگئی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ آدھی رات کو کچھ کھٹکا ہوا۔ مرجان جاگ گئی۔ اس نے دیکھا تو بلبل خان وہاں موجود نہیں تھا۔ کھڑکی کے قریب اُس کی ٹوپی پڑی تھی۔ یہ دیکھ کر مرجان سب کچھ سمجھ گئی۔ دل کے درد سے اُس نے زور سے ''لگا'' کیا۔ اس ''لگا'' سے ساری وادی کے در و دیوار گونج اٹھے۔ ساری وادی گونج اُٹھی، لوگ جاگے اور مشعلیں اٹھائے مرجان کے گھر کی طرف دوڑے۔ منظر دیکھ کر سب سمجھ گئے۔ مرجان دہلیز سے ٹکی کھڑی تھی۔ عورتیں اُسے تسلی اور سہارا دینے کے لیے بڑھیں۔ مرجان پٹ سے دہلیز پر جا گری، اس سے پہلے ہی اس کی روح اس کے قفس خاکی سے پرواز کر چکی تھی۔

لوگ بچوں کے معاملے کے پیچھے کارفرما ہستی کو بہت حد تک جان چکے تھے، اس کے باوجود انھوں نے سات معتبر افراد کو فوری طور پر راجا کے محل کے پچھواڑے والی کھائی کی نگرانی کرنے کے لیے بھیج دیا۔ انھوں نے محل سے پھینکی ہوئی بلبل خان کی پوشاک شناخت کرلی۔

دوسرے دن وہ ساتوں معتبر افراد راجا کے دربار میں حاضر ہوئے اور ایک جشن میں راجا کو شریک ہونے کی دعوت دی اور دعوت میں بہت سے لذیذ گوشت پیش کرنے کا وعدہ کیا، راجا خوش ہوگیا۔ رات کو راجا اور اس کے حواری جشن میں شریک ہوئے۔ شامیانے لگے ہوئے تھے دنبے بھونے جارہے تھے۔ پرانی شراب پیش کی گئی۔ راجا اور حواری میٹھی شراب پیتے رہے۔ گوشت کھانے کا موقع ہی نہ آیا اور وہ شراب پی پی کر مدہوش ہوگئے۔ خاص خاص لوگوں نے راجا اور اس کے حواریوں کو سلوں کے ساتھ باندھا اور دریا کے سپرد کر دیا۔ اس طرح لوگوں کو اس عذاب سے نجات ملی۔ گلگت میں اس دن کی یاد کے لیے رات کو بھرپور جشن منایا جاتا ہے۔

☆☆☆

گُل متی (۳۵)

اس لوک کہانی کا خُلاصہ یہ ہے کہ:

گلگت کے علاقے پر ایک جابر، ظالم اور بدکردار راجا حکمران تھا۔ لوگ سخت دشوار زندگی گزار رہے تھے۔ راجا کو جو خوب صورت عورت نظر آتی، اُس کو اٹھوا لے جاتا۔ ایسی بدقسمت عورت دوسروں سے نظر ملانے کی ہمت نہ رکھتی تھی اس لیے وہ دریا میں کود کر زندگی سے ہاتھ دھو لیتی۔

گلگت کے نواح میں ایک پاکباز اور خوب صورت دوشیزہ گُل متی اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی۔ ایک دن گل متی مجبوراً مغرب کے وقت چشمے سے پانی بھرنے کے نکلی۔ اتفاق سے راستے میں بدکردار راجا سے آمنا سامنا ہوگیا۔ راجا نے گُل متی کو دیکھا اور اسے اٹھا لے جانے کی کوشش کی۔ گُل متی نے اپنی طرف سے گھڑا راجا کے سر پر مارا لیکن راجا تو بچ گیا لیکن گھڑا گھوڑے کے سر پر جا لگا۔ گھوڑا بدک گیا۔ اس دوران میں گل متی نے کارگاہ نالے کی طرف چڑھائی کی سمت دوڑنا شروع کردیا۔

تھوڑی سی دیر میں راجا نے گھوڑے کو قابو میں کرلیا اور پھر گُل متی کے پیچھے دوڑ لگادی۔ گل متی اپنی پوری قوت سے اوپر کی طرف دوڑتی رہی۔ اور دُعا کرتی رہی کہ اگر راجا سے بچنا ممکن نہیں تو اس کے لیے زمین پھٹ جائے۔

گل متی اُوپر کی طرف دوڑتی بھی رہی اور اُس نے بہت پُر درد آواز میں ''لگا'' کیا۔ اُس کی آہ و بکار پر اردگرد کی آبادیاں گونجنے لگیں، لوگ مشعلیں روشن کر کے اس طرف دوڑنے لگے۔ اس دوران میں راجا گل متی تک پہنچ گیا۔ وہ اس کے دوپٹے کو کھینچنے والا تھا کہ پہاڑ شق ہوگیا اور ایک گہرا غار نمودار ہوا۔ گل متی غار میں کود گئی۔ پہاڑ لرزتا رہا۔ پہاڑ کے لرزنے سے راجا لڑھکتا ہوا کارگاہ نالے کے تیز بہاؤ میں جا گرا۔ نالے کے پانی میں راجا اس طرح ڈوبا کہ اس کی لاش کبھی نہیں مل سکی۔ لوگ وہاں پہنچے تو انھیں دُور غار میں گل متی پرسکون انداز میں سب کو دیکھتی ہوئی نظر

آئی۔اس کے بعد وہ غار کی گہرائیوں میں اتر گئی۔لوگ مدت تک غار کے دروازے پر کھانے پینے کی چیزیں رکھتے رہے، پھر غار میں آنے جانے کا راستہ بند کرنے کے لیے ایک بھاری پتھر لڑھک کر وہاں ٹک گیا۔

رڑاگاسس (بہن اور بھائی) (۳۵)

یہ لوک کہانی دیامر کے دو پہاڑوں شیر اور منیر کی لوک کہانی جیسی ہے۔جلی پور اور رائے کوٹ کے پیچھے موجود پہاڑ پر جو دو پتھر کے انسانی پُتلے کھڑے ہیں ان میں سے ایک پارسا اور نیک خصلت بہن کا اور دوسرا بدکردار بھائی کا ہے۔منیر کی طرح جلی پور کی شہزادی اپنے بدقماش بھائی سے اپنی عزت بچانے کے لیے اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئی۔اُس کی دعاؤں کے ساتھ قدرت نے دونوں کو پتھر کا بنادیا۔

☆☆☆

ک (iii) شنا کے لوک رومان

لوک رومان (۳۴)

کہتے ہیں کہ ضلع غذر کے ایک گاؤں گلاپور میں ایک نوجوان راحھ اور ایک دوشیزہ رجلہ رہتے تھے۔رجلہ گاؤں کی حسین ترین لڑکی تھی۔راحھ اور رجلہ ایک دوسرے سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔

راحھ گرمیوں کے دنوں میں مال مویشی کے ساتھ گلاپور کے نالے میں رہتا تھا۔وہ اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے وقت نکال کر گاؤں آتا رہتا تھا۔رجلہ اس کے آنے کی راہ دیکھتی رہتی تھی۔یہ ملاقاتوں کا سلسلہ عرصے سے جاری تھا۔

ایک بار راحھ اپنی محبوبہ سے ملنے کے لیے گاؤں نہ آسکا۔اس کے گاؤں نہ آنے اور رجلہ سے ملنے کے لیے نہ آنے سے رجلہ کو بڑی پریشانی ہوئی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس

کی پریشانی بڑھتی گئی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے۔ صبر کرنا مشکل ہوگیا تو رجلہ اپنے محبوب کی تلاش میں نالے کی طرف چل پڑی۔

رجلہ راجھ کی ادھر اُدھر ڈھونڈتی رہی۔ راجھ سے ملنے میں جتنی دیر زیادہ ہورہی تھی اتنی ہی رجلہ کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ بہت تلاش کے بعد اس نے راجھ کو ایک چٹان پر سوئے ہوئے دیکھا۔ راجھ کو دیکھ کر اس کی ساری کُلفت دور ہوگئی۔

راجھ جس چٹان پر سو رہا تھا اس پر ایک درخت سایہ کیے ہوئے تھا۔ چٹان سے نیچے تین سوفٹ کی گہرائی میں نالہ تھا۔ وہ کچھ دیر اپنے محبوب کو دیکھتی رہی اور سوچنے لگی کہ اُسے کس طریق سے جگائے۔ اس نے جگانے کی یہ ترکیب سوچی کہ قریب کے چشمے سے چلو بھر پانی لائی اور چند قطرے اپنے محبوب کے چہرے پر ٹپکا دے۔ پانی کی چھینٹیں چہرے پر پڑتے ہی وہ چونک پڑا اور کروٹ بدلتے ہوئے اٹھنا چاہا لیکن جسمانی توازن قائم نہ رکھ سکا اور چٹان سے لڑھک کر تین سوفٹ نیچے نالے میں جا گرا۔ رجلہ پر یہ منظر دیکھتے ہی سکتہ طاری ہوگیا۔ ایک گھنٹے بعد اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو اس نے اپنے آپ کو اپنے محبوب کا قاتل گردانا اور اس کے بغیر جینا بھی بے سود جانا اور اسی چٹان سے چھلانگ لگا کر اپنے محبوب سے جا ملی۔ لوگوں نے تلاش کی تو دونوں کو ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے مردہ پایا۔ اس نالے میں اس چٹان کا نام ہی "رجلہ نارگئی گرہ" پڑ گیا ہے۔

☆☆☆

عشق و محبت کی لوک داستان (۳۴)

روایت ہے کہ ہنوچل (حراموش) کی ایک لڑکی پون پونکہ نگم کی ایک نوجوان محن سے محبت ہوگئی۔ دونوں ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہنے لگے۔ محُن نے پون پونکہ نگم سے منگنی کا پیغام بھیجا تو پون کے بھائیوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور رشتے سے انکار کر دیا۔ محن اور پون پونکہ نگم کے دلوں میں محبت کی آگ بھڑکتی رہی۔

عیدالفطر کے دن محن بھیڑ بکریاں لے کر چراگاہ کی طرف نکلا۔ چھوٹے چھوٹے

چرواہے بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ نالے میں پہنچ کر محن نے لڑکوں سے کہا عید کا دن ہے تم قریبی گاؤں میں جا کر خود بھی کھاؤ اور میرے لیے بھی لے آؤ۔ لڑکے قریبی گاؤں کی طرف چل پڑے۔

عید کا دن تھا اور پون اپنے محبوب سے ملنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ پون کو اس کے تایازاد بھائی نے بتایا کہ محن بکریاں لے کر نالے کی طرف گیا ہوا ہے۔ پون نے محن کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لیں اور محن سے ملنے کے لیے چل پڑی۔ نالے میں پہنچ کر پون نے محن کی تلاش شروع کی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے پون نے دیکھا کہ محن نالے کے کنارے ایک چٹان پر سو رہا ہے۔ پون نے محن کو جگانے کے لیے پانی کے چھینٹے محن کے چہرے پر گرادیے۔ محن ہڑ بڑا کر اُٹھا اور چٹان پر توازن قائم نہ رکھ سکتے ہوئے نالے میں جا گرا۔

نالے کا پانی محن کو بہائے لے جا رہا تھا اور پون نالے کے کنارے دوڑ رہی تھی کہ محن کو نالے کے پانی سے نکال سکے۔ وہ نالے کے کنارے دوڑ بھی رہی تھی اور آہ وزاری بھی کر رہی تھی۔ اس دوران گاؤں میں گئے ہوئے لڑکے بھی واپس پہنچ گئے۔ انھوں نے نالے میں محن کی لاش بہتی دیکھی اور کنارے کے ساتھ پون کو دوڑے دیکھا تو وہ بھی اس کے ساتھ دوڑے۔ محن کی لاش نالے میں سے بہتے ہوئے سندھ کے سنگم پر پہنچ گئی۔ اس موقع پر پون نے ایک گیت کے تین بول کہے اور دریا میں کود پڑی اور محن کی طرف تیرنے لگی۔ یوں لگا کہ محن کے بازوں کھلے اور پون اس کے سینے سے لپٹ گئی اور دونوں اسی حالت میں بہتے چلے گئے۔

☆☆☆

یرمس اور ملنگ جان (۳۴)

خلیفہ ملنگ جان شیر قلعہ پونیال میں پیدا ہوئے، اُن کا نام رحمت تھا، ملنگ جان کے نام سے مشہور تھے۔ رحمت ملنگ جان شنا کے مشہور، بلند پایۂ بلند خیال اور شیریں کلام تھے۔

یرمس ایک حسین و جمیل اور صاحب کردار خاتون تھی۔ ملنگ جان یرمس کا حسن و جمال

دیکھ اس کی محبت میں گرفتار ہوگئے۔ یرمس اور ملنگ جان دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ملنگ جان نے یرمس کا رشتہ مانگا تو اُسے انکار کر دیا گیا۔ یرمس کے والدین نے یرمس کی شادی اُس کی مرضی کے خلاف ایک اور شخص سے کرادی۔ کہتے ہیں کہ یرمس ملنگ جان کے غم میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکی۔

یرمس کی شادی ایک اور شخص سے کرادی گئی تو رحمت ملنگ جان نے اس علاقے کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کر لیا لیکن راجا پنیال کے اصرار پر وہ وہیں قیام پذیر رہے۔ خلیفہ رحمت ملنگ جان تا دمِ مرگ یرمس کی یاد کو سینے سے لگائے رہے۔

گلگت اور آس پاس کے علاقوں میں ملنگ جان اور یرمس کا عشق بہت مشہور ہے اور اس میں طرح طرح کے رنگ بڑھائے گئے ہیں۔ ایک واقعہ ہے کہ رحمت ملنگ مچھلی کے شکار کو نکلا، اسے مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ وہ دریا میں کانٹا ڈال کر محبوب کی یاد میں ڈوب گیا۔ حتیٰ کہ سورج سر پر آ گیا اور ملنگ کو دھوپ کا بھی احساس نہ ہوا۔ صبح سے دوپہر ہوگئی تھی لیکن کوئی بھی مچھلی نہیں پھنسی تھی۔ ایک شخص ادھر سے گزرا اور ملنگ کا تھیلا خالی دیکھ کر بولا: ''واہ ملنگ! بڑے اچھے شکاری ہو کہ صبح سے ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ تمھارے عشق میں تو اتنی طاقت ہے کہ تم یرمس کا نام لے کر جو کام کرتے ہو پورا ہو جاتا ہے۔ آج میں بھی دیکھوں کہ تمھارا عشق کتنا سچا ہے۔''

رحمت ملنگ نے ایک نظر اس شخص پر ڈالی اور پھر دریا کی مچلتی لہروں کو دیکھ کر چند شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا:

''یہ لوگ اتنے بے وقوف کیوں بنتے ہیں؟ ہم عاشقوں کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ یہ اتنے بدگمان ہیں کہ ہماری کیفیتِ جنون پر شک کرتے ہیں۔ یہ عشق کے اس مقام سے واقف نہیں جہاں سے گزر کر ذرہ ذرہ حسنِ یار کی جھلک دکھاتا ہے۔ انھیں کون سمجھائے کہ حق شناسوں کا خدا

عشق ہے۔ انھیں کون بتائے کو عشق بن کوئی بھی مقصد کو نہیں پہنچ سکتا۔
انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ آسمان سے زمین تک ہر چیز قوتِ عشق ہی کی
بدولت قائم ہے۔''

رحمت ملنگ نے یہ اشعار کہے اور کانٹا دریا سے نکالا۔ کہتے ہیں کہ کانٹے میں اتنی بڑی مچھلی پھنسی ہوئی تھی کہ وہ آدمی چکرا کر گر پڑا۔ بڑی دیر بعد ہوش میں آیا تو رحمت ملنگ سے معافی مانگی۔

ایک دفعہ رحمت ملنگ شیر قلعہ کے پل سے گزر رہا تھا۔ پل اتنا تنگ تھا کہ صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ جب وہ پل کے درمیان پہنچا تو دوسری طرف سے یرمس آتی ہوئی دکھائی دی۔ یرمس اور اس کا شوہر آگے پیچھے چل رہے تھے۔ یکا یک رحمت ملنگ کے قدم رک گئے۔ یرمس کو سامنے دیکھ اس پر عجیب جذب و کیف کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اب یہی ممکن تھا کہ رحمت ملنگ یرمس کے لیے راستہ چھوڑنے کی خاطر واپس مڑ جائے لیکن اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ محبوب کی طرف پیٹھ کرے۔ چنانچہ اس نے عجب فیصلہ کیا کہ پُل سے دریا میں کود گیا اور باقی فاصلہ تیر کر طے کیا۔

ایک دفعہ رحمت ملنگ یرمس کے گاؤں کی طرف نکلا۔ چلتے چلتے وہ ایک جگہ زمین پر بیٹھ گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ لوگوں نے اس کی یہ حرکت دیکھی تو طنزاً پوچھا ''کیا بات ہے رحمت ملنگ! زمین کیوں سونگھ رہے ہو؟ کیا یرمس کی خوشبو آ رہی ہے۔''

رحمت ملنگ نے ایک گہری سانس لی اور کہا:

''اے لوگو! جب عشق کی آگ میں جل کر دل کندن ہو جائے تب انسان کی تمام حسیات طاقتور بن جاتی ہیں۔ تم عشق کر کے دیکھ لو، ذرے سے آفتاب بن جاؤ گے۔ ابھی کچھ دیر قبل یرمس یہاں سے گزر کر گئی ہے۔ میں اس کے بدن کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔''

بعد میں پتا لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی یرمس کچھ دیر پہلے وہاں سے گزری تھی۔

ایک دن رحمت ملنگ کو راجا پونیال نے طلب کیا اور اس کے عشق کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''اے ملنگ جان! تمھارے عشق کے قصے بہت پھیلے ہوئے ہیں۔ پونیال کا ہر فرد تمھارے اور یرمس کے عشق کی بات کرتا ہے۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم اپنے عشق میں کتنے سچے ہو۔''

رحمت ملنگ نے راجا کی بات کے جواب میں چند اشعار کہے جن کا ترجمہ اس طرح ہے:

''جو شخص شراب عشق پی لے تو دنیا کی ہر چیز اس کے لیے مسخر ہوتی ہے۔ میں کیا ہوں؟ خاک کا پتلا! یرمس کے عشق نے مجھے معرفتِ نفس کی دولت بخشی ہے۔ اب میں جو لفظ بھی منہ سے نکالتا ہوں صرف قول نہیں بلکہ انمول موتی ہوتے ہیں۔ مجھ سے جو بھی عمل سرزد ہوتا ہے میرا عشق اس کا رہنما ہوتا ہے اور جس کسی کا رہنما جب تک عشق نہیں ہوتا وہ منزل سے آشنا نہیں ہوتا۔''

راجا نے یہ اشعار سنے تو تعریف کی لیکن کہا کہ تیرے عشق کا اعتبار تبھی آئے گا جب عملی مظاہرہ کروگے۔

کہتے ہیں کہ راجا نے رحمت ملنگ کو بتائے بغیر حکم دیا کہ گاؤں کی ہر عورت ایک ایک روٹی پکا کر راجا کے محل میں لے آئے۔ شام کے وقت تمام عورتیں اپنی پکائی ہوئی روٹی لے کر راجا کے محل میں پہنچیں اور اُس کے حضور پیش کیں۔ راجا ہر ایک سے روٹی وصول کرتا اور اسے رخصت کرتا رہا۔ یرمس نے اپنی پکائی ہوئی روٹی راجا کو دی تو راجا نے اس پر خاص نشان لگالیا۔ اس طرح سب عورتوں کو رخصت کر دیا گیا۔

اس کے بعد راجا نے ملنگ جان کو بلایا اور کہا: اے ملنگ جان! تمھارے عشق کی صداقت کا امتحان ہے۔ ان بہت سی روٹیوں میں ایک روٹی یرمس کے ہاتھ کی پکی ہوئی ہے۔ اگر تم عشق کے سچے ہو تو یرمس کی بنائی ہوئی روٹی کی نشان دہی کرو۔

رحمت ملنگ نے یہ سن کر آنکھیں بند کر دیں اور روٹیاں سونگھنے لگا۔ ذرا سی دیر میں اس

نے ایک روٹی نکال کر راجا کو دی کہ یہ پرمس کی بنائی ہوئی ہے، اور واقعی وہی پرمس کی بنائی ہوئی تھی۔ راجا یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور ملنگ جان کے عشق کی سچائی پر ایمان لے آیا۔

☆☆☆

ک (iv)۔ شنا کی ضرب الامثال اور محاورے

شنا کے محاورے اور ضرب الامثال بہت حد تک اردو اور دوسری ارد گرد کی زبانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ شنا کے جنوبی حصے، دیامر (چلاس) کی سرحدیں ہزارہ (وادیٔ کاغان) سے ملتی ہیں، اس لیے بہت سے محاورے اور ضرب الامثال شنا اور ہندکو میں ایک دوسرے کے لفظی ترجمے معلوم ہوتے ہیں۔

شنا کے چند محاورے اور ضرب الامثال درج ہیں:

ا۔ دوت دئے گاویں پشٹ گہ مشٹی

اس کا ہندکو میں لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے...... دودھیل گائے کی لات بھی سہہ لی جاتی ہے۔

۲۔ اجھے پھری تھوتھ گا تو توم مکھیٹ۔

ہندکو میں لفظی ترجمہ ہے...... آسمان کی طرف تھوکا تو اپنے منہ پر لگا۔ اردو میں ضرب المثل اس طرح ہے...... آسمان کا تھوکا منہ پر۔

۳۔ جو لی ژکے پاتھر تھیا

ترجمہ: چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔ اردو میں ضرب المثل اسی طرح سے ہے۔

۴۔ توم مُلیٹ کوس چُر کو تھین

اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہندکو میں اس طرح ہے: اپنی لسی کو کون کھٹی کہے گا۔

۵۔ چکی جو مُچی چر کِٹ

ترجمہ: (تلوار کے) ایک وار سے بچا، بہت سے واروں کے نیچے آیا۔ اردو میں یہ محاورہ اس طرح ہے...... آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا۔

۶۔ ڈوکوتھیَہ کٹ ڈوکوتھُوہئ

ترجمہ: جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودے گا خود اس میں پڑے گا۔

۷۔ توم تھِیکٹ بلین نُش

ترجمہ: اپنے کیے کا علاج نہیں۔

۸۔ چھتیلئ داڑھی وتی تو مگرئ گا ڈھِ شی جَنُئ

یہ مال مویشی رکھنے والے اور بھیڑ بکریاں پالنے والوں کے معاشرے میں بہت مقبول ہے۔ ترجمہ: جب لیلے (بکر کے بچے) کی داڑھی نکل آتی ہے تو اس (بکرے) کی قیمت گھٹتی ہے۔

۹۔ مُلّائ رَنتیک تھیِہ تھیتک نے تھیَہ

ترجمہ: مُلّا کا کہا ہُوا کر کیا ہُوا نہ کر

۱۰۔ تھگا تو روزی نے تھِگا تو روزہ

ترجمہ: اگر کچھ کیا تو روزی ہے ورنہ روزہ۔ ہندکو میں یوں ہے مل گئی تو روزی نہ ملی تو روزہ۔

۱۱۔ یَتیم رَئِ عادَت ہَن

ترجمہ: (ہندکو میں اس کا لفظی ترجمہ ہے) یتیم رونے کا عادی ہے۔

۱۲۔ دئ چُھورے تیمّم نے بَئین

ترجمہ: پانی رکھ کر تیمّم نہیں ہوتا۔

۱۳۔ چاں ٹئ ماں چاں ٹئ باپس پرُ وجئ

ہندکو میں اس کا ہو بہو ترجمہ ہے: گونگے کی بولی گونگے کی ماں جانتی ہے۔

۱۴۔ نجسٹ ہٹ ویگا تو ٹھیلے نجس بَین

ترجمہ: اگر نجاست پر پتھر پھینکے گا تو کپڑے نجس ہوں گے۔

۱۵۔ اچھےنوں دورتو ہیئی جو گہ دُور

ترجمہ: جب آنکھ سے دُور تو دل سے بھی دُور

اردو میں ضرب المثل یوں ہے: آنکھ او جھل پہاڑ او جھل

۱۶۔ ایک ہتھ گی ترپ نہ بین

ترجمہ: ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی۔

۱۷۔ کرکاموش سے بانگ دے لونا بئ

ترجمہ: مرغی کی بانگ سے لو نہیں ہوتی۔

۱۸۔ شُوموئ فچو بای بَر پس نَکرد گیسُو گہ کولو

ترجمہ: کتے کی دُم بارہ سال تک چھت میں دبا کر رکھی جائے پھر بھی ٹیڑھی۔

۱۹۔ ھستو مریگہ شَل تولَر جَنا گہ شَل تولر

ترجمہ: ہاتھی مر کر بھی سو تولے اور زندگی میں بھی سو تولے

۲۰۔ یتیم سے روزہ گنی گُوتوراتی لَو نے بئ

ترجمہ: جب یتیم روزہ رکھتا ہے تو صبح نہیں ہوتی۔

ہندکو میں اس طرح ہے: غریبوں نے روزے رکھے تو دن لمبے ہو گئے۔

☆☆☆

ل(i) شنا کا نثری تحریری ادب

مذہبی اور تاریخی ادب

ا۔ شنا زبان میں سیرت رسول ﷺ پر پہلی کتاب ''سُومولو رسول ﷺ'' اکبر حسین اکبر نے ۱۹۸۵ء میں لکھی۔ یہ کتاب ماڈرن بک ڈپو، اسلام آباد نے شائع کی۔ اکبر حسین اکبر کو اس کتاب پر صدارتی ایوارڈ ملا۔

اکبر حسین اکبر نگر کے گاؤں نلت میں (۱۹۵۲ء میں) پیدا ہوئے۔ انھوں نے گلگت

اور راولپنڈی میں تعلیم حاصل کی۔ اکبر حسین اکبر شنا کے شاعر بھی ہیں، انھوں نے نعتیں اور ترانے بھی لکھے ہیں۔

اکبر حسین اکبر نے زیر تبصرہ کتاب کے آخر میں شنا زبان کی ۵۰ (پچاس) حروف پر مشتمل تہجی بھی دی ہے، جس میں شنا زبان کے چھ مخصوص حروف شامل ہیں۔
شنا اور گلگت کے بارے میں خاصا تاریخی مواد موجود ہے۔ رئیس خان کی تاریخ گلگت اور پروفیسر عثمان علی کی کتابیں ''قراقرم کے قبائل'' اور ''شنالوجی'' قابل قدر کتابیں ہیں لیکن یہ اُردو میں ہیں۔ شنا میں کوئی ایسی مبسوط کتاب موجود نہیں البتہ مختلف مضامین شائع ہوئے ہیں۔

ل (ii)۔ تعلیمی ولسانی ادب

☆ محمد امین ضیا نے ''شنا قاعدہ اور گرائمر'' کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کتاب میں شنا حروف تہجی اور شنا گرائمر کے اصول تجویز کیے گئے ہیں۔

☆ عبدالخالق تاج نے شنا زبان سیکھنے اور بولنے والوں کے لیے ''شنا قاعدہ'' مرتب کیا ہے۔ عبدالخالق تاج نے حروف تہجی کے ساتھ تصاویر بھی دی ہیں۔

☆ رازول کوہستانی نے بھی شنا قاعدہ مرتب کیا ہے۔

☆ صوفی شکیل احمد شکیل نے ''گلگتی شنا میں میں پڑھنا لکھنا'' کے نام سے ایک کتابچہ ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔

☆ عبدالخاق تاج نے ''شنا زبان وادب'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جو اکادمی ادبیات، اسلام آباد نے شائع کی۔ کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ شنا زبان اور ادب کے بارے میں کوئی مبسوط کتاب ہے لیکن یہ مختلف ادیبوں کے مضامین اور چند شاعروں کے کلام پر مشتمل کتاب ہے۔ کتاب میں شاعروں کے نام اور نمونے دیے گئے ہیں جن کا ذکر پہلے شاعری کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ نثر سے متعلق مضامین میں پروفیسر عثمان علی کا مضمون ''آریو چھلہ چھلہ ڈوکری'' تاریخی مضمون ہے۔ جمشید خان دکھی کا مضمون شنا کے نثر نگاروں سے متعلق ''شنا نثر نگار''

ہے۔ اسی مضمون میں شنا کے قاعدے اور گرائمر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شیر باز علی خان برچہ کا شاہ رئیس خان کی کتاب ''تاریخ گلگتی'' کے بارے میں مضمون ہے۔ پروفیسر منظوم علی کا گلگت اور بلتستان کی جنگ آزادی سے متعلق مضمون ''جنگ آزادی گلیت گہ بلتستان'' ہے۔ رازول کوہستانی کا مضمون شنا کے کوہستانی لہجوں کے صوتیاتی جائزے سے متعلق ہے۔ فضل الرحمان کا شنا شاعری سے متعلق مضمون ہے۔

عبدالخالق تاج کی کتاب میں چند شخصیتوں سے متعلق بھی ایک ایک صفحے کے مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں ایک آدھ افسانہ یا افسانچہ اور دو تین کہانیاں شامل ہیں، مثلاً محمد امین ضیاء کا افسانہ ''پیاڻلو'' عمران شاہ انجم کی کہانی ''کاں موں توں چلاس کوس کھائی''، یعنی کو امراتو چلاس کی جاگیروں سے کیا لینا، خوشی محمد طارق کی کہانی ''دشئ چھچوٹ'' شامل ہیں۔

کتاب میں ظفرِ وقار تاج ظفر کا مضمون ''شاپ''، یعنی خیر و برکت کی دعائیں اور عبدالخالق تاج کا مضمون شمالی علاقوں کی ادبی ثقافتی انجمنوں کے بارے میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں دو تین چھوٹے چھوٹے مضمون ہیں۔ اس تفصیل سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب شنا کی زبان و ادب سے متعلق نہیں بلکہ مختلف موضوعات پر مختلف لوگوں کے لکھے مضامین کو یک جا کر کے مرتب کیا گیا ہے۔

شنا زبان میں لسانیات سے متعلق کوئی مبسوط کتاب موجود نہیں ہے۔ رازول کوہستانی کا ایک عالمانہ مضمون ''شِناٹ زبانے کوستانے تہجائے صوتیاتی جائزہ'' ہماری نظر سے گزرا ہے۔ عبدالخالق تاج نے رازول کوہستانی کا یہ مضمون اپنی کتاب ''شینا زبان و ادب'' میں شامل کیا ہے۔

ل (iii) بچوں کے لیے ادب

محمد امین ضیا نے ''سوینو مورییٔے'' یعنی دانشوروں کے اقوال کے عنوان سے شنا کہاوتوں، محاورات و ضرب الامثال پر مشتمل کتاب ۱۹۷۸ء میں مرتب کی۔ یہ کتاب لوک ورثہ، اسلام آباد کے تعاون سے شائع ہوئی۔

''ددی ئ شلوکے''، یعنی دادی اماں کی لوک کہانیاں کے عنوان سے صوفی شکیل احمد شکیل نے شنا لوک کہانیوں پر ۲۰۰۱ء میں کتاب شائع کی۔ یہ کتاب شنا میں لکھی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

بچوں کے لیے شنا زبان میں ادب تخلیق کرنے کا پہلو ابھی نظر انداز رہا ہے۔

م۔ شنا کا ریڈیائی ادب

ریڈیو پاکستان نے شمالی علاقہ جات اور اُن کی ثقافت اور ادب کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔ گلگت میں ریڈیو کے قیام سے پہلے سٹیج ڈراما بہت مقبول تھا۔ مختلف کلاسیکی رومان لیلیٰ مجنوں، شیرین فرہاد، سسی پنوں، ہیر رانجھا، سوہنی مہنیوال وغیرہ ڈرامے سٹیج کیے جاتے تھے اور اُن میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔

ریڈیو پاکستان کے قیام کے بعد راولپنڈی سے اور بعد میں گلگت سے بھی نشریات ہونے لگیں۔ ان نشریات میں مذہبی اور ثقافتی تقریریں، فیچر، بچوں کے لیے پہیلیاں، لطیفے، چھوٹی چھوٹی کہانیاں وغیرہ شامل ہوتی تھیں۔ ریڈیو کے ذریعے مشاعرے اور ریڈیائی ڈرامے بھی نشر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اردو کے علاوہ شنا زبان میں بھی ریڈیائی ڈرامے، فیچر، شنا زبان کی لوریاں، پہلیاں اور لوک کہانیاں نشر ہونے لگیں اور اس طرح ریڈیو پاکستان نے قابل قدر علمی، ادبی اور ثقافتی خدمات انجام دیں۔

شیر باز علی خان برچہ کے بقول (تذکرہ اہل قلم وشعرائے گلگت):

> ''حشمت اللہ خان اپنے قیام پنڈی کے دوران ریڈیو پاکستان کی شینا سروس سے بھی وابستہ رہے اور ''منزل جہاد'' کے عنوان سے ریڈیو کے لیے پہلا شینا ڈراما لکھا۔''

حشمت اللہ خان کا وہ پہلا ڈراما بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوا اور اس کے بعد ریڈیو پاکستان شنا زبان میں گیت، غزلیں، مرثیے، ترانے، فیچر، علمی، ادبی اور ثقافتی تقریریں، کہانیاں نشر

کرتا رہا۔ ریڈیو پاکستان کو شنا زبان کے اداکاروں اور پروڈیوسروں کی اچھی جماعت میسر رہی اور اب بھی ہے۔ اس طرح شنا زبان وادب وثقافت کی ترقی میں ریڈیو پاکستان کی خدمات قابلِ تحسین ہیں۔

ن۔ علم وادب کے ادارے اور تنظیمیں

بیسویں صدی کے نوویں عشرے (۱۹۸۵ء) میں گلگت میں قراقرم رائٹرز فورم کی بنیاد رکھی گئی۔ غلام محمد بیگ اس تنظیم کے بانی تھے۔ اس کے مستقل اراکین میں عبدالواحد گوہر، پروفیسر عثمان علی، سید فاضل شاہ، شیر باز علی خان برچہ، محمد اشرف علی، غلام قادر، محمد اکرم خان، حشمت اللہ خان، فصل الرحمٰن عالمگیر، ہارون الرشید، سلطان ولی، راجا لطیف انور، منظوم علی، سید عباس کاظمی، غلام کریم مطرب، محمد امین ضیا، ڈاکٹر ثابت رحیم، ایف ایم خان، گوہر علی گوہر، ہدایت اللہ اختر، حاجی غلام رسول اور اکبر حسین اکبر شامل تھے۔

غلام محمد بیگ کی وفات پر فورم کی سرپرستی پروفیسر عثمان علی (ریٹائرڈ پرنسپل کالج آف ایجوکیشن گلگت) نے سنبھالی۔ فورم کی متعدد نشستوں میں متعدد کتابوں کی رونمائی اور پاکستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے نامور ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ شامیں منائی گئیں۔

قراقرم رائٹرز فورم علم وادب اور تحقیق وتدقیق کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے علاوہ اردو زبان وادب اور شنا زبان وادب کی ترقی کے لیے بھرپور کوشش کر رہا ہے۔

حلقہ ارباب ذوق ۸۷۔۱۹۸۶ء میں قائم ہوا۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام باقاعدگی سے مشاعرے اور سیمینار منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اس طرح شعرا کو اردو اور شنا کلام سنانے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ اس حلقے کے بعض اردو اور شنا دونوں میں قادر الکلام شعرا نے اردو شاعری کے فنی اسرار ورموز کو شنا شاعری میں آزمایا ہے جس کی وجہ سے شنا شاعری کو عروج ملا ہے۔

انجمن فکر وسخن، نگر میں قائم ہوئی ہے۔ اس ادبی تنظیم نے شمالی علاقہ جات کی سطح پر کامیاب ادبی نشستیں اور مشاعرے کروائے ہیں۔ محمد اسماعیل ناشاد اس تنظیم کے بانی ہیں۔

تنظیم اہلِ قلم ضلع دیامر اردو کی آبیاری کے لیے اپنی سی بھرپور کوششیں کررہی ہے۔

میر عبدالخالق (سابقہ ڈائریکٹر ایجوکیشن)، حشمت اللہ خان اور تاج خان اس تنظیم کو تقویت پہنچاتے ہیں۔اس تنظیم نے ابھی تک کوئی کتاب تو شائع نہیں کرائی لیکن ادب کے فروغ کے لیے ان کی سعی قابلِ ستائش ہے۔

حلقہ اربابِ ذوق غذر کے نام سے بھی ایک تنظیم قائم ہے یہ اردو ادب کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہے۔

سازوآہنگ سے متعلق بھی کئی ادارے قائم ہوگئے ہیں، ان میں قراقرم آرٹس کونسل، درد آرٹس کونسل، گلگت آرٹس کونسل، پاکیزہ آرٹس کونسل اور غذر آرٹس کونسل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔